دلیلِ راہ

ماہنامہ

لاہور

فروری 2009ء ، صفر المظفر 1430ھ

حاضر ہوا میں شیخ مجدد کی لحد پر
وہ خاک کہ ہے زیر فلک مطلع انوار

اس خاک کے ذروں سے ہیں شرمندہ ستارے
اس خاک میں پوشیدہ ہے وہ صاحب اسرار

گردن نہ جھکی جس کی جہانگیر کے آگے
جس کے نفس گرم سے ہے گرمی احرار

وہ ہند میں سرمایہ ملت کا نگہبان
اللہ نے بروقت کیا جس کو خبردار

کی عرض یہ میں نے کہ عطا فقر ہو مجھ کو
آنکھیں مری بینا ہیں ولیکن نہیں بیدار

نعت شریف

میں کہوں جو مدحت مصطفیٰ یہ رضائے پروردگار ہے
مری زندگی ، مری بندگی کا اسی پہ دارومدار ہے

تری عظمتیں ، تری رفعتیں کہاں میں کہاں میری ہمتیں
یہ ترے کرم کا ہے معجزہ کہ خزاں میں آئی بہار ہے

ملی عاصیوں کو پناہ یاں ، کسی اور در سے بھلا کہاں!
دوجہاں کا ہے جو قرارِ جاں ، یہ وہ شہر ہے وہ دیار ہے

تو طبیبِ روحِ حیات ہے ، تو شفیع کوئے نجات ہے
مجھے فکرِ روزِ جزا نہیں کہ مجھے سکون و قرار ہے

جو ہے وجہِ رونقِ گلستاں ، یہ اس نبی کا ہے آستاں
جہاں جھک رہا ہے وہ آسماں یہ زمیں بھی سجدہ گزار ہے

تو وہ نور ہے کہ جسے بشر کے کمال کا میں گھر کہوں
میں بشر ہوں جس کو سبھی کہیں تیرے راستے کا غبار ہے

تیرا نقشِ پا ہیں یہ مہرومہ ، تیری ہر ادا پہ جو ہیں فدا
ملی دو جہاں کو جو روشنی ، بھلا اس کا کوئی شمار ہے

مجھے غم میں دیکھا حضور نے تو بڑے ہی پیار سے یوں کہا
ترا شوق تائب رہے جواں ، تو ہمارا مدح نگار ہے

عبدالغنی تائب

WWW.NAFSEISLAM.COM

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باتیں وآنت کا رنیست

ایک چھوٹا سا روشنی کا شفاف ذرہ جب سورج کی شعاعوں سے متصادم یا متوافق ہو جاتا ہے تو روشنی کے سارے رنگ جذب کر لیتا ہے اور سورج کی ساری خوبیوں کا عکس چھوٹے سے وجود میں نظر آنے لگ جاتا ہے حالانکہ اس کی اپنی صلاحیت کچھ بھی نہیں۔ اسے روشن شعاعوں نے آئینہ بنا دیا ہوتا ہے۔

ہماری اس دنیا میں بلاشبہ ایسے لوگ ہر زمانہ میں موجود رہے ہیں جو خدا نہیں اور خدا کے شریک بھی نہیں بلکہ وہ ہمہ دم شرک کی نفی کرنے والے ہوتے ہیں۔ ان کا عقیدہ، ان کی حیات اور ان کی دعوت یقین نہ رکھنے والوں کے لئے نور ایمان اور یقین رکھنے والوں کے لئے خوشخبری ہوتی ہے۔ ان کے انفاس اصلاح کے پیغام بانٹتے ہیں اور ان کی محبت بصائر کی دولت بانٹتی ہے۔ یہ لوگ بادشاہ نہیں ہوتے لیکن بادشاہ ساز ضرور ہوتے ہیں۔ اللہ اللہ کرنے سے نور ان کے رگ و پے میں سرایت کر جاتا ہے۔ حضور انور ﷺ کی ''حضوری'' ان کی طریقت کی جان ہوتی ہے۔ آپ ﷺ کی پیروی ان کا رنگ حیات ہوتا ہے۔ دھیمے انداز کے یہ نہایت قوی اور محکم لوگ ہوتے ہیں۔ ان کی عاجزی ہی ان کا تعارف ہوتا ہے۔ ان سے وابستگی عزت، وقار اور حسن عاقبت کی ضامن بن جاتی ہے۔ یہ لوگ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں میں فکر رکھتے ہیں اور ان کا جذبہ تشکر محبت آفریں بن جاتا ہے۔ یہ عبقری، عظیم اور خدا پرست لوگ اپنی خوئے ایمان، تقویٰ، آگہی اور خداداد بصیرت سے اپنے دور کے مشکل مسائل حل کر لیتے ہیں۔ بادشاہ ان کے دروازوں کے دریوزہ گر ہوتے ہیں۔ ان کی آپس میں محبت قابل رشک ہوتی ہے۔

سلطان علاؤالدین خلجی کا زمانہ تھا۔ حضرت محبوب پاک خواجہ نظام اور بوعلی قلندر اسی دور کے اقطاب بقا اور قطب الارشاد تھے۔ خلجی دونوں سے محبت کرتا تھا اور ان کی عقیدت کو دافع البلاء تصور کرتا تھا۔ ایک دہلی اور دوسرا پانی پت میں مقیم تھا۔ بادشاہ نے محسوس کیا کہ اس کے اقتدار کی چولیں ہل رہی ہیں۔ ارادہ کیا کہ قلندر کی بارگاہ میں سفارت بھیجے۔ اس عظیم کام کے لئے حضرت امیر خسرو کا انتخاب ہوا، لیکن حضرت امیر خواجہ نظام پاک کی اجازت کے بغیر کب جا سکتے تھے۔ یہ اس لئے بھی ضروری تھا کہ نظام کی اجازت سفارش بن جائے اور بوعلی قلندر نظر کرم فرما دیں۔ خواجہ نظام تامل کے بعد راضی ہو گئے اور اپنے مرید حضرت امیر خسرو کو پانی پت بھیجنے کے لئے اجازت مرحمت فرما دی، چنانچہ امیر خسرو بادشاہ کے سفارشی بن کر مع التحائف پانی پت پہنچے۔ خادموں نے اطلاع کی کہ امیر خسرو محبوب الٰہی اور بادشاہ کی طرف سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا ہے۔ اذنِ باریابی ہوا اور حضرت بوعلی قلندر نے استفسار کیا کہ ہندی زبان میں ہیٹری گو (شاعر) تجھے ہی کہتے ہیں۔ امیر نے ادب سے کہا جی حضور بندہ کو اسی لقب سے یاد کیا جاتا ہے، پھر امیر نے بادشاہ کے تحفے آپ کی خدمت میں پیش کئے اور عرض کی نذر قبول فرمائیے۔ آپ نے فرمایا مجھے دنیا کے دھندوں سے کچھ غرض نہیں۔ یہ چیزیں میرے کس کام کی ہیں؟ پھر آپ فرمانے لگے:

WWW.NAFSEISLAM.COM

پیارے کچھ کلام سناؤ:

حضرت امیر خسرو نے اپنی یہ غزل سنائی:

آنکہ گوئی ہیچ سختی از فراقِ یار نیست
گر اُمید وصل باشد آنچناں دشوار نیست
خلق را بیدار باید بود از آب چشم من
ایں عجب کاں وقت میگرم کہ کس بیدار نیست
عاشقاں مرا در جہاں یکساں نباشد روزگار
زانکہ این انگشتہا بر دست من ہموار نیست
یک قدم برنفسِ خود نہ و آں دیگر در کوئے دوست
ہرچہ بنی دوست بیں با ایں و آنت کار نیست
چند می گوئی ببر زنار را اے بت پرست
برتن خسرو کدامی رگ کہ آں زنار نیست

(۱) تو نے یہ کہا کہ دوست کی جدائی سے بڑھ کر کوئی تکلیف نہیں ہوتی لیکن وصل اور ملنے کی امید ہو تو پھر کوئی دشواری اور مشکل نہیں ہوتی۔

(۲) مخلوق کو چاہیئے کہ وہ میرے آنسوؤں سے بیدار ہو جائے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب میں روتا ہوں کوئی موجود ہی نہیں ہوتا۔

(۳) محبت کرنے والوں کا وقت ہمیشہ ایک ایسا نہیں رہتا، نہیں دیکھتے کہ ہاتھ کی انگلیاں برابر نہیں ہیں۔

(۴) اپنا ایک قدم نفس پر رکھ کر اسے پائمال کر اور دوسرا قدم محبوب کی گلی میں رکھ، جو کچھ تو دیکھے دوست ہی میں دیکھے کسی دوسرے سے راہ نہ رکھ۔

(۵) کب تک تو کہتا رہے گا کہ اے بت پرست اس زنار کو کاٹ دے، خسرو خود تیرے تن پر کون سی رگ ہے جو زنار نہیں بن چکی۔

حضرت بوعلی قلندر نے کلام سنا اور فرمایا:

اچھا کہتا ہے اور اچھا ہی رہے گا اور اچھا ہی جائے گا۔

پھر فرمایا کچھ میرا کلام بھی سن لو:

ارشاد فرمایا:

دیہیم خسرواں برما نعلِ استر است
خسرو کسے کہ خلعتِ تجرید در بر است
سیمرغ وار روئے نہفتم بقاف عشق
کو عارفے کہ منظر او عرشِ اکبر است
عقل کل است علم لدنی بعارفاں
این عقل و علم حسی و درسی محقر است
درس شرف نبود از الواح ابجدی
لوح جمال دوست مرا در برابر است

(۱) بادشاہوں کے تاج میرے نزدیک خچر کے کھر کی طرح ہیں، اصل میں بادشاہ وہ ہے جس نے تجرید کا لباس پہن لیا ہو

(۲) سیمرغ کی طرح میں نے اپنے آپ کو کوہ قاف میں چھپالیا ہے، وہ عارف کہاں گئے جن کا منظر عرش اکبر ہو

(۳) عارفین کے نزدیک علم لدنی ہی اصل علم ہے، یہ حواسی اور تدریسی علوم حقیر چیزیں ہیں

(۴) میں نے ابجد کی تختیوں پر نہیں پڑھا، بلکہ جمال دوست کی تختی ہمیشہ میرے سامنے رہی ہے

حضرت امیر خسرو نے یہ اشعار سنے اور رونے لگ گئے۔ قلندر نے کہا کہ کچھ سمجھے بھی ہو کہ رو رہے ہو، آپ نے فرمایا: حضور روتا ہی اس لئے ہوں کہ کچھ سمجھتا نہیں۔ بوعلی قلندر نے وفد کو رخصت کرتے ہوئے فرمایا:

محاصل دہلی خلجی کے نام اس شرط کے ساتھ کہ وہ اللہ کی مخلوق سے حسن سلوک رکھے۔

حکایت عرضی کا مقصد یہ ہے کہ کردار اور تربیت کے بغیر قوم قوم نہیں بن سکتی ہجوم ہی رہتی ہے۔ دور قدیم میں مسلمان مربی تلاش کرتے اور پھر ان کی دہلیز کو اپنے لئے لازم قرار دیتے۔ بندگانِ خدا کی صحبت اور تربیت اچھے بادشاہ، اچھے معلم اور دردمند انجینئر اور باکردار سائنسدان پیدا کرتی۔ ہمارے دور حاضر میں گندے انڈوں سے نکلنے والے بچے بادشاہ بن رہے ہیں، معلم بن رہے ہیں اور ذہنی آوارگی کا عالم یہ ہے کہ نیک لوگوں اور بزرگوں سے وابستگی کو بدعت اور شرک سے تعبیر کیا جانے لگا ہے۔ شاید شاعر نے بھی تنگ آ کر کہا تھا:

اٹھا کر پھینک دو باہر گلی میں

نئی تہذیب کے انڈے ہیں گندے

صفر المظفر اللہ والوں کا مہینہ ہے۔ داتا علی ہجویری کا مہینہ، مہر علی شاہ کا ماہ، احمد رضا خاں فاضل بریلوی سے منسوب شہر معظم اور مجدد الف ثانی کی تحریکی یادوں کا لحاتی آئینہ، اس میں اگر اتنی سی بات ہی گرہ بند کر لی جائے کہ اہل اللہ ہماری تربیتی ضرورت ہیں۔ ان سے اعتقادی، معاشرتی، روحانی اور عملی وابستگی ہماری کامیابیوں کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک دل اور نیک عمل دوستوں کی فضیلت خود بیان فرمائی اور قرآن حکیم میں کامیاب زندگی کا نسخہ کیمیا عطا فرمایا ہے۔

أَلَآ إِنَّ أَوْلِيَآءَ ٱللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ﴿٦٢﴾ ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ وَكَانُوا۟ يَتَّقُونَ ﴿٦٣﴾
لَهُمُ ٱلْبُشْرَىٰ فِى ٱلْحَيَوٰةِ ٱلدُّنْيَا وَفِى ٱلْءَاخِرَةِ ۚ لَا تَبْدِيلَ لِكَلِمَٰتِ ٱللَّهِ ۚ ذَٰلِكَ هُوَ ٱلْفَوْزُ ٱلْعَظِيمُ ﴿٦٤﴾
وَلَا يَحْزُنكَ قَوْلُهُمْ ۘ إِنَّ ٱلْعِزَّةَ لِلَّهِ جَمِيعًا ۚ هُوَ ٱلسَّمِيعُ ٱلْعَلِيمُ ﴿٦٥﴾ (سورہ یونس ۶۲ تا ۶۵)

سن رکھو! کوئی شبہ ہے ہی نہیں اللہ کے دوستوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ وہ غمگین ہوں گے (۶۲) وہ جو ایمان لائے اور ڈرتے رہے (۶۳) اُن کے لیے دنیا کی زندگی میں پیغامات مسرت ہیں اور آخرت میں بھی، اللہ کے کلمات میں تبدیلی نہیں ہوتی یہی تو بڑی کامیابی ہے (۶۴) اور اُن کی باتیں آپ کو غمگین نہ کریں بے شک عزت اللہ کے لیے ہے سب کی سب وہی خوب سننے والا سب کچھ جاننے والا ہے (۶۵)

اللہ تعالیٰ اپنے دوستوں کی صحبت، محبت اور عقیدت نصیب فرمائے۔

سید ریاض حسین شاہ

سید ریاض حسین شاہ

www.NAFSEISLAM.COM

حرف حرف روشنی

سید ریاض حسین شاہ قرآن مجید و فرقان حمید کی تفسیر "تبصرۃ" کے عنوان سے تحریر کر رہے ہیں۔ ان کا اسلوب نگارش منفرد اور دیگر مفسرین سے مختلف بھی ہے اور دلچسپ بھی۔ انداز بیان سادہ اور دلکش ہے، جس میں رموز و معانی کا سمندر موجزن ہوتا ہے۔ ذیل میں ہم قارئین کی دلچسپی کے لیے سورہ اخلاص کے پہلے حصے کی تفسیر پیش کر رہے ہیں (ادارہ)

سید ریاض حسین شاہ

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ ﴿١﴾ آپ فرمائیں! اللہ یکتا و یگانہ ہے (۱)

گہوارہ تربیت کا راز وحدت حضور ﷺ کے مبارک دل پر مکی زندگی میں جلوہ آفرین ہوا۔ اس میں ایک روایت کے مطابق چار اور دوسری روایت کے مطابق پانچ آیات ہیں۔ پندرہ کلمات اور سنتالیس (۴۷) حروف ہیں۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اللہ تعالیٰ ہر دم اپنی مخلوق پر اپنے کرم کو جاری ساری رکھے ہوئے ہیں۔ نزول قرآن بھی اس کی رحمتوں کا عکس ہے۔ اس ذات احد نے اپنے قرآن میں ایک ایسی سورت بھی اتاری جو مقصدِ زندگی کا محور ہے۔ مضامین توحید میں سورہ اخلاص کو ایک خاص اہمیت حاصل ہے۔ تمام تعریفیں اللہ ہی کے لئے ہیں اس نے اپنی معرفت کا جوازلی ابدی ہدیہ بنام انسانیت اپنے حبیب کے تصدق عطا فرمایا، مفسرین نے اس کے بیس یا اکیس نام گنے ہیں۔ خطیب شربنی کی مدد سے نقل کئے جاتے ہیں۔

سورہ تفرید:

ایسی سورت جس سے اللہ تعالیٰ کے موجود ہونے پر دلالت ملتی ہے۔

سورہ توحید:

اس کلام رفیع میں اللہ تعالیٰ کی توحید کو بڑے احسن، جامع اور موثر اسلوب میں بیان کیا گیا ہے۔ انداز منطقیوں اور فلسفیوں ایسا نہیں ہے۔ کلام کی فطری سادگی اور حسن نے روحوں کو جیسے رمز وحدت میں جذب کیا ہوتا ہے۔

سورہ تجرید:

یہ سورت ایک اعلان ہے کہ اللہ تعالیٰ ہر قسم کے شرک، شبیہہ اور نظیر سے پاک ہے۔ توحید ذاتی، توحید صفاتی اور توحید افعالی پر سورت انتہائی دلکش استدلال مہیا کرتی ہے۔

سورہ نجات:

سورت پر ایمان اور اعتقاد سے کفر اور شرک کی دبیز تاریکیوں سے نجات میسر آتی ہے۔

سورہ ولایت:

اس سورت پر ایمان، اس کی تلاوت اور اس سے مجذوبانہ اور محبت آمیز تعلق سے اللہ تعالیٰ اپنے بندے کو اپنی دوستی کا انعام عطا فرماتا ہے اور اسلام میں شجر اعتقاد کا یہ بڑا لذیذ اور لطیف ثمر ہے۔

سورہ مقشقشہ:

موذی امراض سے شفا پانا کہلاتا ہے۔ یہ سورت روحانی، جسمانی اور نظریاتی ہر قسم کے امراض سے خلاصی اور شفا بخشتی ہے، اس لئے اسے سورہ مقشقشہ کہہ دیتے ہیں۔

سورہ امان:

اللہ تعالیٰ اس سورت کی برکت سے اپنے قہر وغضب سے امان عطا فرماتا ہے۔

سورہ معوذہ:

اس سورت کی حیثیت قرآن حکیم میں ایک پناہ گاہ اور آماجگاہ کی ہے۔ اس کے مفہومات پر اعتقاد ایک تعویذ بن جاتا ہے، ایسا تعویذ جو بندے کو ہر قسم کے خوف سے بے نیاز کر دیتا ہے۔

سورہ اساس:

روایات میں آتا ہے کہ آسمانوں اور زمینوں کی بنیاد اس سورت پر ہے۔

سورہ المحضر:

ایسی سورت جس کی تلاوت سننے کے لئے فرشتے حاضر رہتے ہوں۔

سورہ المنفرہ:

شیاطین کو بھگانے والی سورت۔

سورت ابراۃ:

ایسی سورت جس میں شرک سے برأت ہے۔

سورہ احسان:

حدیث شریف میں آتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا جس نے یہ سورت پڑھی وہ میرے قلعے میں آ گیا اور جو میرے قلعے میں آیا وہ میرے عذاب سے محفوظ ہو گیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

سورہ المذکرہ:

اللہ تعالیٰ کی یاد دلانے والی سورت۔

سورہ نور:

ایسی سورہ جس کی تلاوت سے قلب و روح روشن ہو جائیں۔

سورہ مانعہ:

قبر اور آخرت کے عذاب سے بچانے والی سورت۔

سورہ اخلاص:

توحید کا خالص مضمون اس سورت کا طرۂ امتیاز ہے۔

سورہ صمد:

ایسی سورت جو غنٰی عطا کر دے اور فقر سے چھٹکارا دے اور مقاصد قرآن تک پہنچائے۔

سورۃ المعرفہ:

اللہ تعالیٰ کا عرفان بخشنے والی سورت۔

سورہ نسبہ:

ایک سوال کیا گیا کہ اللہ کا نسب کیا ہے۔ یہ سورت اس سوال کا جواب ہے۔

سورہ جمال:

جمال انوار سے مزین سورہ۔

سورت کے شان میں یہ بات نقل کی گئی ہے کہ یہودیوں نے حضور ﷺ سے یہ سوال کیا کہ آپ ان کے لئے اللہ کی صفات بیان کریں۔ آپ ﷺ تین دن تک خاموش رہے اور کوئی جواب نہ دیا، یہاں تک کہ یہ سورت نازل ہوئی اور یہود کے سوال کا جواب دے دیا گیا۔ سائل عبداللہ بن صوریا تھا، یہ بھی کہا گیا، یہ تقاضا کرنے والے عبداللہ بن سلام تھے۔ یہ بھی تفسیری روایات میں آتا ہے کہ اس نوعیت کا سوال مشرکین مکہ نے کیا۔ نجران کے ایک عیسائی وفد سے متعلق بھی ایک آدھ روایت موجود ہے۔

سورہ اخلاص کی فضیلت میں امام بخاری علیہ الرحمہ نے ایک حدیث نقل کی ہے۔ حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ ایک صحابی جہادی مہم کے درمیان ہمیشہ نماز میں سورہ اخلاص پڑھتے۔ لوگوں نے واپسی پر حضور ﷺ سے شکایت کی۔ حضور ﷺ کے فرمان پر لوگوں نے اس سے پوچھا وہ ایسا کیوں کرتا تھا اس نے کہا اس لئے کہ یہ رحمٰن کی صفت ہے مجھے اس لئے اس کا پڑھنا محبوب ہوا۔ حضور ﷺ نے فرمایا لوگو اسے آگاہ کر دو کہ اللہ اس سے محبت رکھتا ہے۔

حضور ﷺ نے فرمایا مجھے قسم ہے اس ذات کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے کہ یہ سورت تہائی قرآن کے برابر ہے (نسائی، ابوداؤد، احمد)

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ حضور ﷺ نے ایک شخص کو قل ھو اللہ احد پڑھتے ہوئے سنا تو فرمایا واجب ہوگئی، میں نے عرض کی کیا چیز واجب ہوگئی فرمایا ''جنت''۔ (جامع ترمذی، سنن نسائی)

معاذ بن انس جہنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں جس نے دس بار قل ھو اللہ احد پڑھی، اللہ تعالیٰ اس کے لئے جنت میں ایک گھر بناتا ہے۔ عمر رضی اللہ عنہ نے عرض کی جب تو یا رسول اللہ ﷺ ہم جنت میں بہت گھر حاصل کر لیں گے۔ آپ ﷺ نے فرمایا۔ اللہ کے ہاں کسی چیز کی کمی نہیں اور وہاں پر ہر چیز اچھی سے اچھی موجود ہے۔ (مسند احمد بن حنبل)

حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ جس شخص نے پچاس مرتبہ قل ھو اللہ احد پڑھی اللہ تعالیٰ اس کے پچاس سال کے گناہ معاف فرما دیتا ہے (رواہ ابویعلیٰ)

حضرت جابر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے تھے، تین باتیں ایسی ہیں جس نے ایمان کے ساتھ انہیں ادا کیا، تو وہ جنت میں جس دروازے سے چاہے گا داخل ہوگا اور جس ''حورالعین'' کو پسند کرے گا اسے مل جائے گی۔

☆ ایک وہ جس نے قتل کرنے والے سے عفو کیا۔

☆ دوسرا جس نے پوشیدہ قرض ادا کیا۔

☆ تیسرا وہ جس نے ہر فرض نماز کے بعد دس مرتبہ سورہ اخلاص پڑھی۔

حضرت ابوبکرؓ نے عرض کی اگر کوئی ایک ہی پر عمل کر سکا تو حضورﷺ نے فرمایا ''ہاں'' یعنی اسے بھی یہ اجر مل جائے گا (مواہب الرحمٰن)۔

ایک مرتبہ حضرت جبرائیل بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر تھے کہ ابوذر غفاریؓ آ گئے، حضرت جبرائیل نے عرض کی یہ ابوذر آ رہے ہیں حضورﷺ نے فرمایا، کیا تم فرشتے، ابوذر کو جانتے ہو جبرائیل نے کہا یہ یہاں سے زیادہ ہمارے ہاں شہرت رکھتے ہیں حضورﷺ نے فرمایا کس وجہ سے انہیں یہ فضیلت ملی ہے، فرمایا ایک تو اس لئے کہ یہ اپنے آپ کو اپنے جی میں چھوٹا سمجھتے ہیں اور دوسرا **قل ھو اللہ احد** کثرت سے پڑھتے رہتے ہیں۔ (مفاتیح الغیب، امام رازی)

ایک شخص نے حضورﷺ سے اپنی غربت کی شکایت کی، آپ نے فرمایا جب گھر جاؤ تو کوئی موجود ہو تو سلام دو ورنہ مجھ پر سلام بھیجو اور پھر ایک مرتبہ **قل ھو اللہ احد** پڑھو۔ اس شخص نے اس پر عمل کیا۔ رب نے اسے اتنا نوازا کہ وہ پڑوسیوں کے لئے خیر بار ہو گیا (الجامع لاحکام القرآن۔ قرطبی)

سورہ اخلاص کی فضیلت میں حافظ ابویعلیٰ نے دو روائتیں نقل کیں، ہر ایک روحانیت اور طمانیت کی سوغات ہے۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ میں تبوک کے موقع پر حضورﷺ کے ساتھ تھا۔ ایک دن سورج نکلا اور اس کی جاذبیت از حد زیادہ تھی۔ جبرائیل آئے اور حضورﷺ سے عرض کی سورج کی شعاؤں میں حسن اس لئے ہے کہ آج مدینہ میں آپ کے صحابی ''معاویہ لیثی'' کا انتقال ہو گیا ہے، کیا آپ چاہیں گے کہ ان پر نماز ادا فرمائیں۔ آپ نے فرمایا ''ہاں''۔

حضرت جبرائیل نے اپنا پر زور سے زمین پر مارا تو پہاڑیاں، ٹیلے اور درخت پست ہو گئے اور صحابیؓ کا جنازہ آپ کے سامنے ہو گیا۔ آپ نے نماز پڑھی اور پیچھے دیکھا کہ ستر ستر ہزار فرشتوں کی دو صفیں شریک نماز پائیں۔ آپ نے فرمایا جبرائیل انہیں یہ فضیلت کیونکر ملی ہے؟ فرمایا انہیں سورہ اخلاص سے محبت تھی اور اٹھتے بیٹھتے یہ ''**قل ھو اللہ احد**'' پڑھتے رہتے تھے۔ (طبرانی، بیہقی، ابن کثیر، مواہب)

دوسری روایت امام احمد بن حنبلؓ کی ہے حضرت عقبہ بن عامرؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میری حضورﷺ سے ملاقات ہوئی، میں آگے بڑھا اور آپﷺ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی یا رسول اللہﷺ! مومن کی نجات کس چیز سے ہو گی آپ نے فرمایا:

اے عقبہ!

اپنی زبان گونگی کر لے

اپنے گھر میں بیٹھ جا

اور

اپنے گناہوں پر رو

پھر جب دوسری مرتبہ میں آپﷺ سے ملا، تو آپ نے پہل فرمائی اور میرا ہاتھ اپنے ہاتھوں میں لے لیا اور فرمایا:

اے عقبہ!

تجھے خیر بتلا دوں؟

تین سورتیں ہیں

قل ھو اللہ احد

قل اعوذ برب الفلق

اور

قل اعوذ برب الناس

تورات، زبور، انجیل اور قرآن میں نازل ہوئیں

عرض کی حضور ضرور بتلائیں

آپ نے یہ تین سورتیں مجھے پڑھائیں اور فرمایا:

''انہیں بھولنا نہیں''

اور

نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

انہیں پڑھے بغیر سونا نہیں
عقبہ فرماتے ہیں پھر یہ دونوں عمل میں نے ترک نہ کیے۔
حضرت عقبہ فرماتے ہیں پھر ایک دن ملا تو میں نے ابتدا کر کے آپ کا مبارک ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے کر عرض کی:
یارسول اللہ ﷺ!
مجھے اعمال فضیلت مآب ارشاد فرمادیں۔
آپ ﷺ نے فرمایا:
عقبہ!
جو تجھ سے قطع تعلقی کرے تو اس سے صلہ رحمی کر۔۔۔۔!!
جو تجھے محروم کرے تو اسے عطا کر
اور
جو تجھ پر ظلم کرے تو اس سے تعرض کر لے
بخاری شریف کی ایک روایت کے مطابق، آپ ﷺ کا معمول مبارک تھا کہ آپ رات بستر میں تشریف فرما ہونے کے بعد سورہ اخلاص، فلق اور الناس تلاوت کر کے دونوں ہاتھوں پر دم فرماتے اور پھر سارے بدن پر مسح کر لیتے اور ایک حدیث میں ہے کہ تین مرتبہ ایسا فرماتے۔ علماء نے اس کا یہی معنی سمجھا ہے اللہ تعالیٰ ان سورتوں کی برکت سے مرض وکسل سے محفوظ فرمادیتا ہے۔

قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ ۚ

آپ فرمائیں! اللہ یکتا و یگانہ ہے

آیت میں لفظ' قل' خاتم افکار میں نگینوں کی طرح جڑ دیا گیا ہے۔ کہتے ہیں ادب کی تاریخ میں الفاظ اور کلمات کے افق پر صوتی لہجے اور بدنی ادائیں نیّر درخشاں کی حیثیت رکھتی ہیں۔ کلام کتنا بھی بلند ہو بولنے والے کا نظر آنا اور اس کے جمالیاتی پیکر کا صوتی لہروں میں اتر آنا اپنا ہی مزا رکھتا ہے۔ اللہ جل جلالہ کی توحید' سحر حیرت' ہے۔ اس میں سکون و اطمینان کی معرفت اس کو ملتی ہے جسے حضور ﷺ سے فیضِ نسبت حاصل ہو جاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب سے قـــل کہہ کر ان کی جمالیاتی نسبتوں کو قرآنی لہروں میں اتار دیا ہے۔ میں سمجھتا ہوں قرآن کا یہ لفظ ہی اپنے قاری کو بہت کچھ عطا کر دیتا ہے۔
"قل"
عقیدے کے قطعی ہونے کا حتمی اعلان ہے۔
لفظ جہاں عقیدے کی حتمیت بیان کرتا ہے
وہاں حضور ﷺ کے لئے ایمان توحید کی سند بھی بن جاتا ہے۔
قل یعنی" آپ فرمادو"
مشکل کو آسان بنا دینے کے لئے ہے یعنی ایسی ذات جسے نہ گنا جا سکے اور نہ چھوا جا سکے، نہ اس سے پہلے کوئی ھوا اور نہ بعد، جو ظاہر باطن خود ہی ہے، اسے دیکھا جا سکے نہ لمس میں اتارا جا سکے۔ اس کا ماننا آسان تو نہیں۔ نادیدہ کو دیدہ کی طرح منوانے کا اعجاز محبوب تیری زبان میں رکھ دیا گیا ہے، فلہذا آپ فرمادو، روحانی اعتبار سے سورہ اخلاص کے پہلے دو حرف جمالیاتی حسوں کو کس قدر تیز کر دیتے ہیں کہ رب العالمین رحمت عالم کی زبان کو نور ترجمان ہونے کا اعزاز بخش دیتا ہے۔

ھو
ھـــو واحد غائب کی ضمیر ہے۔ ایک مبہم مفہوم کی وضاحت کے لئے اسے کلام میں سمو دیا گیا ہے۔ جملہ کی یہ ساخت ایک واقعیت اور حقیقت سے نقاب سرکاتی ہے۔ ھـو کا استعمال ذاتِ حق کی طرف ایک اشارا ہے جو اس کے محسوسات میں نہ آنے کی طرف ایک رمز ہے اور یہ سمجھایا جا رہا ہے کہ وہ انسانی افکار کی دسترس سے ماورا ہے، اگر چہ اپنی صفات کے جلوؤں سے وہ ہر ایک چیز سے زیادہ ظاہر ہے۔ نحوی ترکیب کے لحاظ سے یہ معنی تب ہوگا جب ھو کو مبتدا تسلیم کیا جائے، بصورت دیگر ھو کو بعض مفسرین نے ضمیر شان کے معنوں میں بھی لیا ہے، یعنی اللہ کی ذات اقدس یہ شان رکھتی ہے کہ وہ اکیلا و یگانہ ہے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

بحار الانوار کی ایک روایت کے مطابق غزوہ بدر کے دوران مولا علیؓ نے خضر علیہ السلام کو خواب میں دیکھا اور عرض کی مجھے کوئی ایسی چیز بتائیں جس کے فیض مدد سے دشمنوں پر غلبہ حاصل ہو تو انہوں نے یہ کلام تلقین کیا۔

یا ھو

یا من لا ھو

الا ھو

صبح ہوئی تو حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا:

یا علی علمت الاسم الاعظم

اے علی آپ کو اسم اعظم کی تعلیم دی گئی (بحار الانوار)

صوفیا کرام نے "ھو" کو ذات اقدس کے لئے بطور رمز اکثر استعمال کیا ہے۔ سلطان العارفین حضرت باہو علیہ الرحمہ نے تو اپنے کلام میں ھو کے تکرار سے معرفت کے جو جام تقسیم فرمائے ہیں تشنگان معرفت اس قند مکرر کی لذتوں سے خوب آشنا ہے۔

اللہ

قرآن مجید میں یہ اسم پاک دو ہزار چھ سو اٹھانوے مقامات پر آیا ہے کہیں معرفہ اور کہیں نکرہ۔ یہی اسم اعظم ہے۔ اللہ تعالیٰ کی ذاتِ اقدس مادہ اور صورت دونوں سے بے نیاز ہے۔ اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کے نام کا ذکر کیا جائے، یہ ذکر ہی چاہنے والوں کے بدنوں میں تقرب کی خوشبو سمو دیتا ہے۔

مولانا روم فرماتے ہیں کہ

اللہ اللہ گو کہ اللہ می شوی

این سخن حق است واللہ می شوی

ایک ذریعہ نوافل کی ادائیگی سے اس کا قرب پانا ہے۔ حضور ﷺ نے اللہ تعالیٰ کا ارشاد نقل فرمایا ہے کہ بندہ نفلوں کے ذریعہ مجھ سے قریب ہو جاتا ہے حتٰی کہ میں اس کے ہاتھ بن جاتا ہوں اور اس کی زبان ہو جاتا ہوں جن سے وہ پکڑتا اور بولتا ہے۔ تقرب کے اس مقام بلند کے لئے مولانا روم ارشاد فرماتے ہیں:

گفتہ او گفتہ اللہ بود

گرچہ از حلقوم عبداللہ بود

اللہ اسم خاص ہے، اس کا مفہوم "تحیر" اور حیرت کے ہیں۔ ایسی ذات جس کے بارے میں عقلیں حیران ہوں۔ اللہ ایسا معبود جس میں مخلوق حیران ہے لیکن اس سے عشق رکھتی ہے۔ اسم اللہ ایسی ہستی کے لئے استعمال ہوتا ہے جو تمام صفات عالیہ کی جامع ہے اور ہر عیب اور نقص سے منزہ اور پاک ہے۔ اسی نام سے قلب و نظر میں روشنی پیدا ہوئی۔ یہی وجہ ہے کہ اکمل الخلائق حضور ﷺ بھی ہمہ وقت اسی پاک نام کا ذکر کرتے رہتے تھے۔

احد

احد کی تفسیر میں علما کے دو گروہ ہیں۔ ایک گروہ کا خیال ہے کہ واحد اور احد میں کوئی فرق نہیں۔ دو لفظ ایک ہی مفہوم کے عکاس ہیں جبکہ مفسرین کا ایک دوسرا طبقہ ہے جن کے نزدیک واحد اور احد میں فرق ہے البتہ دونوں اس بات پر اتفاق کرتے ہیں کہ ذات اور صفات میں یکتائی اسی ذات کو سزاوار ہے۔ وہ اپنی الوہیت میں بھی یگانہ ہے۔ اس کی ذات میں اجزا ثابت نہیں۔ مادے اور صورت کی کوئی جہت اس کے لئے ثابت نہیں۔ لمبائی نہ چوڑائی، طول نہ عرض، تعمق نہ گہرائی۔ نہ اس کی تحلیل کی جاسکے اور نہ تجزیہ، تحقیقی نہ تقدیری، ترکیبی نہ تحلیلی۔ وہ اپنی ذات کی طرح صفات میں بھی یکتا اور یگانہ ہے۔ وہی قادر مطلق ہے، علم کا مرجع اسی کی ذات ہے، غیوب سب اس کے سامنے ہیں، وہی موجود اصلی ہے۔ اسی کے لئے "احد" کا اسم خاص ہے۔

جب مکہ کی گلیوں میں مشرکین حضرت بلال ؓ کو رسیوں میں جکڑ کر تپتی ریت پر گھسیٹتے تھے اور ان کے سینے پر گرم پتھر رکھ کر ان کے عقیدہ توحید کو شکست دینے کی ذلیل کوشش کی جاتی تھی۔ حضرت بلال "احد" "احد" کہتے تھے "واحد" "واحد" نہیں، مطلب یہ کہ جو لذت احد میں ہے وہ واحد میں نہیں، اگرچہ واحد "احد" کا عکاس ہو سکتا ہے لیکن جو جلوہ نمائی "احد" میں ہے وہ اسی اسم میں ہے اور یہ بھی کہ اسم ذات

''اللہ'' میں وحدت کا معنٰی ہے اور صفات میں چونکہ کثرت ہے اس لئے ''اللہ'' کے بعد ''احد'' لایا گیا تا کہ پتا چلے جیسے وہ اپنی ذات میں یگانہ ہے ایسے ہی وہ اپنی صفات میں بھی یکتا ہے۔

زہری کہتے ہیں کہ احد ذات الٰہی کے لئے خاص ہے جبکہ واحد غیر کے لئے بھی استعمال ہوسکتا ہے، مثلاً ہم کہنا چاہتے ہیں ایک آدمی تو کہیں گے'' رجل واحد''، ''رجل احد'' نہیں کہہ سکتے یعنی واحد احد میں موجود ہوتا ہے جبکہ احد واحد میں موجود نہیں ہوتا۔

جو لفظ خاص ہوئے تیرے لئے

محبوب تیرے نام کا چڑھاوا ہے

رہا سوال کہ قرآن حکیم نے واحد اور احد دونوں کا استعمال اللہ رب العالمین کے لئے فرمایا ہے۔

فرمایا قل هو الله احد

دوسرے مقام پر فرمایا:

والهكم اله واحد

اس سوال کا ایک جواب تو یہ ہے کہ واحد محلِ اثبات میں جبکہ احد مقام نفی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب کہا جائے گا الٰہ واحد تو مفہوم ہوگا الوہیت تو اس کا ایک وصف ثابتہ ہے۔ وہ رحیم بھی ہے کریم بھی ہے، سمیع بھی ہے اور بصیر بھی ہے اور یہ بھی کہ لفظ واحد کثیر الجہات انسانوں کی فکر کو متحد الجہت کرنے کے لئے انفس و آفاق میں جب گھمائے گا تو وہ لوگ جنہوں نے ان گنت الـہ بنالئے ہیں، ان کے لئے درس ہوگا کہ تم معبود بنانے میں بھی کس کثرت میں کھو گئے ہو، الله ان گنت نہیں ایک ہی ہے اور وہ ہے اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس۔ سورہ اخلاص نے اسی مفہوم کی تکمیل کردی اور فرمایا:

محبوب فرمادو

هو الله احد

وہ اللہ یکتا ہے۔

حضرت علی المرتضیٰ ؓ سے ایک سائل نے عین حالت جنگ میں پوچھا کیا آپ اللہ کو واحد کہتے ہیں؟ اس کا معنی کیا ہے؟ کیا آپ کو معلوم ہے؟ لوگوں نے اسے مارنا چاہا لیکن مولا پاک نے تعرض کیا اور فرمایا:

نہ جاننے والوں کا حق ہے کہ

جاننے والوں سے سوال پوچھیں

پھر آپ نے فرمایا:

اللہ واحد ہے کے چار معانی ہو سکتے ہیں۔ دو اللہ کے لئے درست نہیں اور دو صحیح ہو سکتے ہیں۔ واحد عددی ہو تو اللہ کے لئے اس کا استعمال درست نہیں یعنی ہم یہ کہیں کہ وہ ایک ہے دو نہیں اس لئے کہ ایک کے بعد ہمیشہ دوسرے کا تصور ہوا کرتا ہے اور حق تعالیٰ کی ذات غیر متناہی ہے۔

دوسرا اللہ کے لئے واحد نوعی لانا بھی درست نہیں جیسے ہم کہیں فلاں آدمی لوگوں میں سے ہے۔ اللہ تعالیٰ کی نہ تو کوئی جنس ہے اور نہ نوع اس لئے اس معنی میں اسے واحد کہنا درست نہ ہوگا۔

تیسرا مفہوم جو درست ہے وہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ذات واحد ہے یعنی اشیائے عالم کوئی چیز اس کی شبیہہ نہیں، ہاں پروردگار ہمارا ایسا ہی ہے۔

اور

چوتھا مفہوم یہ ہے کہ واحد بمعنٰی احدی المعنی ہو یعنی اس کی ذات ناقابل تقسیم ہے۔

ہاں الٰہ ہمارا ایسا ہی ہے۔

والله اعلم

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

وعظ و تبلیغ نفرت کا باعث نہ بنے

عن ابی وائل عن ابن مسعود (رضی اللّٰہ عنہما) قال کان النبی ﷺ یتخولنا بالموعظة فی الایام کراھة السامة علینا۔

(صحیح بخاری، جلد اول ص ۱۶، باب ما کان النبی ﷺ یتخولھم بالموعظة والعلم کی لا ینفروا)

’’حضرت ابو وائل، حضرت عبداللہ بن مسعود سے روایت کرتے ہیں وہ فرماتے ہیں رسول اکرم ﷺ وعظ کے سلسلے میں ہمارے دنوں کا خیال رکھتے تھے کیونکہ آپ کو ہمارا املال و مشقت میں پڑنا پسند نہ تھا۔‘‘

مفتی محمد صدیق ہزاروی

Nafse Islam

یتخول کا لفظ تخول سے بنا ہے جس کا معنیٰ کسی چیز کا خیال رکھنا ہے۔ جب کوئی شخص مال کی نگرانی کرے اور اس کا خیال رکھے تو کہا جاتا ہے "خال المال یخوله" حدیث شریف میں اس کا مطلب یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ ہمیں وعظ و نصیحت کرتے ہوئے ہمارا خیال رکھتے تھے اور ہر دن وعظ نہ فرماتے تا کہ ہم ملال میں نہ پڑ جائیں اور تھک نہ جائیں۔

''السآمة'' کا معنیٰ مشقت ہے ''کراھة'' کسی کام کو ناپسند کرنا۔ یعنی رسول اکرم ﷺ اس بات کو ناپسند کرتے تھے کہ ہم مشقت اور تکلیف میں مبتلا ہوں اس لئے آپ روزانہ وعظ نہ فرماتے بلکہ کبھی کبھی وعظ فرماتے تھے۔

صحابہ کرام رضی اللہ عنہم جہاں رسول اکرم ﷺ کی حیات طیبہ اور آپ کے معمولات سے امت مسلمہ کو آگاہ کرتے تھے وہاں خود بھی اس پر عمل پیرا ہوتے تھے۔ چنانچہ حضرت ابووائل ؓ، ہی حضرت عبداللہ بن مسعود ؓ کا اپنا عمل بھی بیان فرماتے ہیں

وہ اس کا تذکرہ یوں کرتے ہیں کہ حضرت عبداللہ بن مسعود لوگوں کو ہر جمعرات کے دن وعظ فرماتے تھے۔ ایک شخص نے آپ کی خدمت میں عرض کیا کہ اے ابوعبدالرحمٰن (حضرت ابن مسعود کی کنیت ہے) میں چاہتا ہوں کہ آپ ہمیں روزانہ وعظ فرمایا کریں انہوں نے فرمایا سنو! میرے لئے اس میں صرف یہ بات رکاوٹ ہے کہ میں تمہیں ملال میں ڈالنا پسند نہیں کرتا اور میں وعظ کے سلسلے میں تمہارا اسی طرح خیال کرتا ہوں جس طرح رسول اکرم ﷺ ہمارے ملال کو ناپسند کرتے ہوئے ہمارا خیال کرتے تھے۔ (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶)

رسول اکرم ﷺ کو وعظ و تبلیغ کا حکم تھا ارشاد خداوندی ہے:

یاایھا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک (سورۃ مائدہ آیت ۶۷)

''اے رسول اللہ ﷺ آپ پہنچا دیجئے جو کچھ آپ کی طرف اتارا گیا اس کے رب کی طرف سے ''

اس آیت کریمہ اور اس انداز کی دیگر آیات مبارکہ کی روشنی میں اس بات کا بخوبی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ رسول اکرم ﷺ کو تبلیغ دین کا کس قدر ذوق تھا اور آپ میں یہ جذبہ بدرجہ اتم موجود تھا کہ امت تک پیغام خداوندی زیادہ سے زیادہ پہنچے اور وعظ و تذکیر اس قدر زیادہ ہو کہ ان کے دل کی دنیا بدل جائے۔

لیکن اس کے باوجود آپ امت کی خیر خواہی کو ترجیح دیتے تھے کیونکہ دین خیر خواہی کا نام ہے آپ نے خود ارشاد فرمایا:

الدین النصیحة (مشکوٰۃ المصابیح ص:۴۲۳) دین خیر خواہی ہے

رسول اکرم ﷺ کے اس عمل مبارک اور ارشاد گرامی کے امتزاج حسین کی ضرورت ہے یعنی عبادت اور وعظ تبلیغ میں کوتاہی بھی نہ برتی جائے اور لوگوں کو پریشان بھی نہ کیا جائے، یہی دین اسلام کا تقاضا ہے کیونکہ دین اسلام فطری دین ہونے کے حوالے سے افراط و تفریط سے پاک ہے۔

شارح بخاری امام ابن حجر عسقلانی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں:

اس حدیث سے یہ فائدہ حاصل ہوا کہ عمل صالح میں بھی مداومت (ہمیشہ کرنا) ملال کے ڈر سے ترک کیا جائے۔

اگرچہ (اعمال صالحہ پر) مواظبت (ہمیشگی) مطلوب ہے لیکن اس کی دو قسمیں ہیں:

(۱) یا تو ہر روز عمل کیا جائے لیکن اس میں تکلف نہ ہو۔

(۲) یا ایک دن چھوڑ کر عمل کیا جائے اور یہ چھوڑنا حصول راحت کے لئے ہوگا تا کہ دوسرے دن خوشی خوشی عمل کیا جاسکے۔

یا جمعہ کا دن مختص کر دیا جائے اور احوال اور شخصیات کے بدلنے سے حکم بدل جاتا ہے۔ ضابطہ یہ ہے کہ ضرورت و حاجت کا بھی خیال رکھا جائے اور خوش دلی کا لحاظ بھی رکھا جائے۔ (فتح الباری، جلد اول، ص:۲۱۶)

حضرت امام ابن حجر عسقلانی کے ارشاد گرامی کا مقصد یہ ہے کہ وعظ و تبلیغ کی ضرورت کو بھی نظر انداز نہ کیا جائے اور اس بات کا بھی خیال رکھا جائے کہ لوگوں کو تکلیف بھی نہ ہو۔

رسول اکرم ﷺ نے اس بات کو دوسرے انداز میں بھی ارشاد فرمایا، حضرت انس سے مروی ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا:

یسروا ولا تعسروا و بشروا و لا تنفروا (صحیح بخاری جلد اول ص ۱۶)

''آسانی پیدا کرو اور تنگی نہ کرو (لوگوں کو) خوشخبری دو نفرت پیدا نہ کرو''۔

گویا نماز باجماعت کا مسئلہ ہو یا وعظ و تبلیغ کا، اس میں ایسا انداز اختیار نہ کیا جائے کہ لوگ متنفر ہو جائیں۔ اس طرح وہ امام اور مبلغ ذمہ دار ہوگا جس نے ایک ایسے دین سے لوگوں کو دور کیا جس دین میں کشش موجود ہے اور یوں لوگوں کی دین بیزاری کا گناہ اس کے سر ہوگا۔

رسول اکرم ﷺ کی احادیث مبارکہ میں قواعد وضوابط دیئے گئے ہیں اس لئے ان کی روشنی میں دیگر صورتوں کو بھی پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ مثلاً آپ روزانہ وعظ نہ فرماتے تا کہ لوگ تنگ نہ ہو جائیں تو اس سے یہ بات بھی ثابت ہوتی ہے کہ خطبہ اور وعظ مختصر ہونا چاہیئے دو، دو تین، تین گھنٹے کے خطابات پر فخر کا اظہار کیا جاتا ہے لیکن یہ بھی تو ملال کی ایک صورت ہے۔

علاوہ ازیں رات گئے تک وقت گزاری کا سلسلہ جاری رہتا ہے اور نعت خوانی اور نقیب محفل کے من گھڑت جملوں سے سمع خراشی کی جاتی ہے بلکہ بعض اوقات غیر شرعی الفاظ اور جملوں پر مبنی گردان سے نقیب محفل خود بھی گناہ کا ارتکاب کرتا ہے اور سامعین کو بھی اس گناہ میں شامل کیا جاتا ہے اور اس وقت جب جلسہ کا اختتام ہونا چاہیئے تھا مقرر ذی شان تشریف لاتے ہیں اور بعض اوقات وقت کے پابند مقرر کو اس وقت تقریر کی دعوت دی جاتی اور اس سے پہلے نعت خوان حضرات کی من مانی کارروائی میں تمام وقت صرف ہو جاتا ہے۔

اسی طرح رات کے پچھلے پہر بلکہ صبح تک بھاری بھرکم آواز کے لاؤڈ سپیکر اور مزید برآں خطیب معظم کی اپنی طوفان خیز آواز ان لوگوں کے لئے باعث اذیت ہوتی ہے جو فطری طریقہ پر عمل پیرا ہو کر آرام کر رہے ہوتے ہیں یا اپنے رب کے ہاں سربسجود ہوتے ہیں یا حصول علم میں مصروف ہوتے ہیں۔

ہمارے موجودہ ماحول کا یہ نقشہ ہے جو یقیناً رسول اکرم ﷺ کی تعلیمات کے منافی ہے اس کے باوجود اسے دینی لبادہ پہنا رکھا ہے۔ جس طرح روزانہ وعظ باعث ملال ہے۔ اسی طرح طویل دورانیہ کا وعظ بھی باعث اذیت ہے اور اسی طرح مخلص مسلمانوں کو انتظار کی آزمائش میں ڈالنا بھی تکلیف دہ ہے۔

لہٰذا اس حدیث پاک کی روشنی میں ہمیں وعظ وتبلیغ کا قبلہ درست کرنا ہوگا اور حقوق اللہ کے ساتھ ساتھ حقوق العباد کا خیال بھی رکھنا ہوگا۔ ورنہ سب کچھ بیکار ہو جائے گا۔

رسول اکرم ﷺ کو رحمۃ للعالمین کے تاج سے سرفراز کیا گیا حتیٰ کہ آپ کے لائے ہوئے دین کی روشنی میں کتب فقہ سے یہ بات بھی واضح ہوتی ہے کہ سورج گرہن کے موقع پر باجماعت نماز مسنون ہے جبکہ چاند گرہن کے موقع پر جماعت کی بجائے الگ الگ نماز پڑھی جاتی ہے کیونکہ سورج گرہن دن کے وقت ہوتا ہے جب کہ چاند گرہن رات کے وقت ہوتا ہے اور تنہا نماز گھر میں بھی پڑھی جاسکتی ہے۔ مقصد یہ ہے کہ شریعت اسلامیہ میں لوگوں کی مشکلات کا اس حد تک خیال رکھا گیا ہے حتیٰ کہ رسول اکرم ﷺ طویل نماز پڑھانے کی خواہش کے باوجود کسی بچے کے رونے کی آواز سنتے تو نماز مختصر کر دیتے تا کہ اس کی ماں کو جو نماز میں شامل ہے تکلیف نہ ہو۔ لہٰذا ہمیں رسموں سے نکل کر دین کی روح کی طرف قدم بڑھانا چاہیئے۔

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

امام ربانی مجدد الف ثانی

شیخ احمد سرہندی

قدس سرہ

علامہ محمد نور بخش توکلی علیہ الرحمۃ

آپ کا نسب شریف حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ سے بدیں ترتیب ملتا ہے شیخ احمد بن شیخ عبدالاحد بن شیخ زین العابدین بن شیخ عبدالحی بن شیخ محمد بن شیخ حبیب اللہ بن شیخ رفیع الدین بن شیخ نصیر الدین بن شیخ سلیمان بن شیخ یوسف بن شیخ اسحاق بن شیخ عبداللہ بن شیخ شعیب بن شیخ احمد بن شیخ یوسف بن شیخ شہاب الدین علی الملقب بہ فرخ شاہ بن شیخ نصیر الدین بن شیخ محمود بن شیخ سلیمان بن شیخ مسعود بن شیخ اللہ الواعظ الاصغر بن شیخ عبداللہ الواعظ الاکبر بن شیخ ابوالفتح بن شیخ اسحاق بن شیخ ابراہیم بن شیخ ناصر بن شیخ عبداللہ بن امیر المومنین عمر فاروق رضی اللہ عنہم اجمعین۔

آپ کے اجداد میں سے پندرہویں جد شیخ شہاب الدین علی ملقب بہ فرخ شاہ ہیں۔ جو سلاطین کابل کے بڑے امراء و وزراء میں سے تھے۔ شیخ ممدوح پہلے مسلمان امیر ہیں جنہوں نے غزنی و کابل سے ہندوستان میں آکر دین اسلام کو رواج دیا۔ حضرت شیخ فرید الدین شکر گنج قدس سرہ کا نسب بھی شیخ موصوف سے ملتا ہے۔

حضرت مجدد کے چھٹے جد امجد امام رفیع الدین ہیں جو علم ظاہر و باطن کے جامع تھے۔ آپ کو خلافت سید جلال الدین بخاری معروف بہ مخدوم جہانیاں سے ہے۔ آپ پہلے شخص ہیں جنہوں نے ہندوستان میں سکونت اختیار کی۔ شہر سرہند کی بنا آپ سے ہوئی جس کی کیفیت اس طرح ہے کہ اس شہر کی آبادی کی جگہ ایک وحشت ناک جنگل تھا جس میں درندے رہا کرتے تھے۔ اس جگہ کا نام ہندی میں سہرند (سہ بمعنی شیر۔ رند بمعنی جنگل) یعنی بیشۂ شیر تھا۔ اس سرزمین کے نواح میں کوئی شہر نہ تھا۔ صرف ایک سامانہ شہر تھا جو یہاں سے ۲۴ میل پر تھا۔ لوگ روپیہ خزانہ میں داخل کرنے کے لئے سامانہ جایا کرتے تھے۔ اس لئے اس نواح کی رعایا بالخصوص رعایا براس نے جو یہاں سے چھ سات کوس تھا، اوچ میں جا کر حضرت مخدوم جہانیاں کی خدمت میں جو سلطان فیروز شاہ کے مرشد تھے، عرض کیا کہ آپ دہلی تشریف لے جائیں اور سلطان سے درخواست کریں کہ یہاں ایک شہر بنایا جائے۔ اس لئے مخدوم جہانیاں اپنے وطن مالوف سے دہلی آئے۔ سلطان نے آپ کا استقبال کیا اور پہلی ہی ملاقات میں منظوری دے دی کہ فلاں مقام پر شہر آباد کیا جائے۔ امام رفیع الدین کا بڑا بھائی خواجہ فتح اللہ جو بادشاہ کا وزیر تھا، اس کام کو انجام دینے کے لئے مقرر ہوا۔ خواجہ موصوف دو ہزار آدمیوں کو ساتھ لے کر وہاں آکر عمارت کے کام میں مشغول ہوئے۔ پہلے ۷۶۰ھ میں قلعہ کی بنا اس ٹیلہ پر رکھی جہاں جنگل تھا، مگر ہر روز جتنی دیوار تیار ہوتی ہر روز گری ہوئی نظر آتی۔ جب اس امر کی اطلاع بادشاہ کو ہوئی تو اس نے اس کا علاج سید مخدوم جہانیاں کے سپرد کیا۔ سید موصوف نے اپنے خلیفہ و امام نماز شیخ رفیع الدین کو جو سنام میں رہا کرتے تھے، حکم دیا کہ تم اپنے ہاتھ سے قلعہ کی بنیاد رکھو اور شہر میں سکونت اختیار کرو، کیونکہ وہاں کی ولایت تمہارے متعلق ہے۔ چنانچہ حضرت امام اس جگہ آئے اور مکاشفہ سے معلوم کیا کہ بادشاہی لوگ ایک خدا دوست شخص کو زبردستی مزدوروں میں شمار کر لیتے ہیں اور وہ رات کو توجہ ڈال کر دیوار گرا دیتا ہے۔ آپ نے منع فرمایا اور اپنے دستِ مبارک سے بنائے قلعہ کی اینٹ رکھی اور قلعہ اور شہر کی تعمیر حضرت امام کے اہتمام میں انجام کو پہنچی۔ اختتام تعمیر پر حضرت امام نے یہاں کی سکونت اختیار کی۔ منقول ہے کہ حضرت امام کو معلوم ہوا کہ وہ خدا دوست شیخ شرف الدین بو علی قلندر تھے۔ حضرت امام رفیع الدین قدس سرہ کا مزار مبارک قصبہ سرہند سے باہر قریب ہی اب تک موجود ہے۔ یہ شہر خوب آباد رہا یہاں تک کہ سکھوں نے ۱۱۷۰ھ میں تاخت و تاراج کیا اور اب تک ویران پڑا ہے۔

حضرت مجدد کے والد شیخ عبدالاحد آغاز جوانی ہی میں شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کی خدمت میں حاضر ہو کر ان کے مرید بن گئے اور ان کی خدمت میں حاضر رہنے کی اجازت طلب کی، مگر انہوں نے اجازت نہ دی، فرمایا علوم دین و شریعت حاصل کر کے آجانا، کیونکہ علم کے بغیر درویشی بے لطف ہے۔ عرض کیا کہ مجھے ڈر ہے کہ علوم دینیہ کی تکمیل کے بعد آپ کی صحبت کو نہ پاؤں۔ فرمایا، اگر مجھے نہ پاؤ تو میرے فرزند رکن الدین سے حاصل کرنا جو چاہتے ہو، اتفاقاً تحصیل علوم سے پہلے ہی حضرت شیخ قدس سرہ نے وصال فرمایا، پس حضرت مخدوم علوم دینیہ کی تحصیل اور بعضے بلاد کی سیر و سیاحت کے بعد شیخ رکن الدین کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ انہوں نے اپنے والد بزرگوار کے اشارے کے موافق حضرت مخدوم کی تربیت میں بہت کوشش کی اور خاندان قادریہ و چشتیہ میں خرقہ خلافت آپ کو عطا کیا اور طالبان خدا کی تربیت و تعلیم کا حکم دیا اور تحریری اجازت نامہ عطا فرمایا جو زبدۃ المقامات میں منقول ہے۔

حضرت مجدد کا انتساب باطنی ہر چہار خاندان سے ہے۔ چنانچہ سلسلہ نقشبندیہ میں آپ مرید و خلیفہ حضرت خواجہ باقی باللہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہیں جو مرید و خلیفہ مولانا خواجہ امکنگی قدس سرہ کے ہیں اور طریقہ قادریہ میں آپ مرید و خلیفہ شاہ سکندر کیتھلی کے ہیں جو مرید و خلیفہ اپنے جد بزرگوار شاہ کمال کیتھلی متوفی ۱۹ جمادی الاخرائے ۹۲۱ھ کے ہیں اور خاندان چشتیہ صابریہ و سہروردیہ میں اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد کے ہیں، جو مرید و خلیفہ شیخ المشائخ رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی قدس سرہ کے ہیں۔ ان چار سلسلوں کے علاوہ آپ کو دیگر سلاسل مثل شطاریہ، مداریہ، کبرویہ کی تلقین کی اجازت بھی اپنے والد بزرگوار سے حاصل تھی۔

ولادت:

آپ کی ولادت باسعادت شہر سرہند میں شب جمعہ ۱۴ شوال ۹۷۱ھ کو ہوئی۔ آپ کے والد بزگوار کا بیان ہے کہ آپ کی ولادت سے پہلے میں نے خواب میں دیکھا کہ تمام جہان میں ظلمت پھیل گئی ہے۔ سور، بندر اور ریچھ لوگوں کو ہلاک کر رہے ہیں۔ اسی اثناء میں میرے سینے سے ایک نور نکلا اور اس میں ایک تخت ظاہر ہوا۔ اس تخت پر ایک شخص تکیہ لگائے بیٹھا ہے اور اس کے سامنے تمام ظالموں، زندیقوں اور ملحدوں کو بکرے کی طرح ذبح کر رہے ہیں۔ کوئی شخص بآواز بلند کہتا ہے وقل جاء الحق وزهق الباطل ان الباطل كان زهوقا۔ اس خواب کی تعبیر حضرت مخدوم نے حضرت شاہ کمال کیتھلی سے دریافت کی۔ انہوں نے بعد توجہ فرمایا کہ تمہارے ہاں ایک لڑکا پیدا ہوگا جس سے الحاد وبدعت کی تاریکی دور ہوگی۔ یہ تعبیر بالکل درست نکلی۔

نقل ہے کہ ایک مرتبہ ایام رضاعت میں آپ نہایت علیل ہوگئے۔ آپ کی والدہ ماجدہ آپ کو شاہ کمال کیتھلی کی خدمت میں لے گئیں۔ حضرت شاہ صاحب نے اپنی زبان مبارک آپ کے منہ میں دے دی اور آپ اسے دیر تک چوستے رہے۔ شاہ صاحب نے فرمایا خاطر جمع رکھو۔ یہ لڑکا بڑی عمر کا ہوگا اور عالم عامل اور عارف کامل ہوگا اور میرے تیرے جیسے بہت سے اس سے پیدا ہوں گے۔

تحصیل علوم:

جب آپ سن تعلیم کو پہنچے تو آپ کو مکتب میں داخل کر دیا گیا۔ تھوڑی مدت میں آپ نے قرآن مجید حفظ کرلیا، بعدازاں اکثر علوم متداولہ آپ نے اپنے والد بزرگوار سے حاصل کئے۔ اس کے بعد آپ سیالکوٹ تشریف لے گئے اور وہاں معقولات کی بعض کتابیں عضدی وغیرہ فاضل محقق مولانا کمال کشمیری سے اور حدیث کی بعض کتابیں مولانا یعقوب کشمیری سے پڑھیں جو مولانا یعقوب نے جو قطب مکرم شیخ حسین خوارزمی کبروی کے اکابر خلفاء میں سے تھے، حرمین شریفین میں جا کر کبار محدثین سے تصحیح حدیث کی ہوئی تھی۔ علاوہ ازیں حضرت مجدد نے تفسیر واحدی ودیگر مؤلفات واحدی اور تفسیر بیضاوی اور دیگر مصنفات بخاری ومشکوٰۃ المصابیح وشمائل ترمذی وجامع صغیر سیوطی اور قصیدہ بردہ وغیرہ کی اجازت عالم ربانی قاضی بہلول بدخشانی سے حاصل کی تھی۔ قاضی موصوف کو کتب مذکورہ کی اجازت شیخ عبدالرحمٰن بن مندب سے تھی جن کا گھر آباؤاجداد سے بیت الحدیث چلا آتا تھا، الغرض آپ سترہ سال کی عمر میں علوم ظاہری کی تحصیل کے سب مرحلے طے کر کے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں حاضر ہو کر تدریس میں مشغول ہوئے اور طلبہ علوم کو اپنی برکات سے بہرور فرماتے رہے۔ اسی اثناء میں آپ نے عربی فارسی میں متعدد رسالے نہایت فصاحت وبلاغت کے ساتھ تحریر فرمائے۔ چنانچہ رسالہ تہلیلیہ، سالہ اثبات نبوت اور رسالہ ردو شیعہ ان ہی رسائل میں سے ہیں۔

تردید شیعہ:

رسالہ رد شیعہ کی تصنیف کا باعث یہ ہوا کہ عبداللہ خاں اوزبک والئی سمرقند وبخارا جو ۹۹۰ھ میں تخت نشین ہوا تھا، خراسان پر حملہ کیا اور نو ماہ کے محاصرے کے بعد ہرات کو ۹۹۳ھ میں فتح کرلیا۔ جب خان مذکور نے خراسان کے مشہور شہر طوس یعنی مشہد مقدس کا محاصرہ کر رکھا تھا تو فقہائے مشہد میں سے ایک نے ایک عرضداشت عبداللہ خاں کی خدمت میں بھیجی جس کا ماحصل یہ تھا کہ رعایائے مشہد تو اکثر حضرت پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذریت ہیں۔ آپ نے کس دلیل سے مشہد کا محاصرہ اور وہاں کے باشندوں کا قتل اور ان کے مال کا لوٹ لینا جائز رکھا ہے۔ عبد اللہ خاں نے وہ تحریر علمائے ماوراء النہر کی خدمت میں پیش کی جو اس محاصرہ میں ہمرکاب تھے۔ اس کے جواب میں علمائے مذکورین نے ایک رسالہ بدیں مضمون لکھا کہ شیعہ کافر ہیں اور ان کا قتل کرنا اور ان کا مال لوٹ لینا مسلمانوں کے لئے مباح ہے۔ اس پر محمد بن فخر الدین علی رستمداری شیعی نے جو مشہد میں روضہ مقدس کی خدمت اور تدریس کا منصب رکھتا تھا اس تحریر کے جواب میں ایک رسالہ لکھا جیسا کہ مجالس المومنین میں مذکور ہے۔ جب یہ رسالہ شیعہ حضرت مجدد کی خدمت میں پہنچا تو آپ نے اس کا نہایت مدلل ومعقول جواب لکھا۔ ان دنوں میں اہل تشیع ہندوستان میں ارباب حشمت وجاہ تھے اور دربار شاہی میں تقرب تام رکھتے تھے اور بادشاہ وقت بھی دین اسلام اور ارباب دین سے نہایت دشمنی رکھتا تھا۔ ان حالات میں حضرت کا تردید شیعہ میں قلم اٹھانا آپ کی حمیت وغیرت اسلامی کی زبردست دلیل ہے۔

ابوالفضل وفیضی سے ملاقات:

آگرہ کے مشاہیر علماء کا شہرہ سن کر آپ کے دل میں ان حضرات کی ملاقات کا اشتیاق پیدا ہوا، چنانچہ آپ وہاں تشریف لے گئے اور کچھ عرصہ وہیں قیام کیا۔ اس عرصہ میں آپ کو کئی دفعہ ابوالفضل کی مجلس میں حاضر ہونے کا موقع ملا۔ وہ آپ کی خاص رعایت وتعریف کیا کرتا تھا۔ ایک دن اس نے فلاسفہ اور علوم کی توصیف میں نہایت مبالغہ کیا جس میں علمائے دین کی توہین لازم آتی تھی۔ آپ سے یہ کب برداشت

ہوسکتا تھا، فرمایا کہ امام غزالی قدس سرہ تعالیٰ نے رسالہ منقذ عن الضلال میں لکھا ہے کہ وہ علوم جن کے واضع فلاسفہ اپنے تئیں بتاتے ہیں مثلاً ہیبت، نجوم وطب یہ کتب انبیائے سابقین سے سرقہ ہیں اور ریاضی وغیرہ جو فلاسفہ کے طبعزاد ہیں دین میں کس کام آتے ہیں۔ ابوالفضل یہ سن کر خفا ہوا اور کہنے لگا غزالی نے نامعقول کہا ہے۔ حضرت یہ سن کر ناراض ہوگئے اور مجلس سے اٹھ آئے، اٹھتے وقت فرمایا اگر تو ہم سے اہل علم کی صحبت کا ذوق رکھتا ہے تو ایسی دور از ادب باتوں سے زبان کو بند رکھ۔ آپ کئی روز اس کی مجلس میں تشریف نہ لے گئے۔ یہاں تک کہ ایک شخص کو اس نے آپ کی خدمت میں بھیجا اور معافی مانگ کر بلایا۔ ایک روز آپ ابوالفضل کے بھائی فیضی کے ہاں تشریف لے گئے، وہ ان ایام میں اپنی تفسیر بے نقط (مواطع الالہام) لکھ رہا تھا۔ وہ آپ کو دیکھ کر خوش ہوا اور کہنے لگا خوب موقع پر آئے ہو، ایک مقام درپیش ہے کہ جس کی تاویل وتفسیر حروف غیر معجمہ میں دشوار ہے۔ میں نے ہر چند دماغ سوزی کی ہے مگر دلخواہ عبارت نہیں سوجھتی۔ یہ سن کر آپ نے قلم بردا شتہ اس صفحہ کے مطالب کثیرہ حروف بے نقط میں کمال بلاغت میں تحریر فرمائے کہ جس سے فیضی حیران رہ گیا۔ اس واقعہ سے آپ کی زبردست علمی قابلیت ظاہر ہے۔

فرزند دلبند کی دوری والد بزرگوار پر ناگوار گذری، اس لئے وہ شوق دیدار میں آگرہ پہنچے اور آپ کو ہمراہ لے کر وطن مالوف کی طرف روانہ ہوئے۔ راستے میں بمقام تھانیسر، وہاں کے رئیس شیخ سلطان کی صاحبزادی سے آپ کا عقد نکاح ہوگیا۔ وطن میں پہنچ کر آپ نے سلوک طریقہ صوفیہ میں قدم رکھا اور اپنے والد بزرگوار کی صحبت میں بہت سے فوائد باطنی حاصل کئے، چنانچہ آپ رسالہ مبداومعاد میں لکھتے ہیں:۔

> ''اس درویش کو اصل نسبت فردیت کہ جس سے عروج اخیر مخصوص ہے اپنے والد بزرگوار سے حاصل ہوئی تھی اور والد بزرگوار کو ایک بزرگ (شاہ کمال کیتھلی علیہ الرحمۃ) سے ہاتھ لگی تھی، جو جذبہ قوی رکھتے تھے اور خوارق میں مشہور تھے نیز اس درویش کو عبادات نافلہ بالخصوص ادائے نماز نافلہ کی توفیق اپنے والد بزرگوار سے ہے اور والد بزرگوار کو یہ سعادت اپنے شیخ (رکن الدین بن شیخ عبدالقدوس گنگوہی علیہ الرحمۃ) سے حاصل ہوئی تھی جو سلسلہ چشتیہ میں تھے''

ان ہی ایام میں ایک مرتبہ آپ بیمار ہوکر بہت کمزور ہوگئے۔ آپ کی حالت دیکھ کر آپ کی اہلیہ بیقرار ہوگئی اور اس نے دوگانہ ادا کر کے رو کر آپ کی صحت کے لئے دعا کی۔ اسی حال میں اسے نیند آگئی۔ خواب میں دیکھتی ہے کہ ایک شخص کہہ رہا ہے۔ تسلی رکھو! ہمیں ان سے بڑے کام لینے ہیں، جن میں سے ہزار میں سے ایک بھی ظہور میں نہیں آیا۔ چنانچہ آپ جلد ہی تندرست ہوگئے اور اس معاملہ کے تھوڑی مدت بعد حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔

پیر سے بیعت اور تعلم وتلقین:

حضرت شیخ کو حج بیت اللہ شریف اور زیارت روضہ مقدسہ رسول اکرم ﷺ کا شوق مدت سے دامن گیر تھا، مگر اپنے والد ماجد کی کبرسنی کے سبب سے اس ارادے کو ملتوی رکھا ہوا تھا۔ آپ کے والد نے ۲۷ جمادی الاخرٰی ۱۰۰۷ھ میں اسی سال کی عمر میں وصال فرمایا، اس لئے انتقال کے دوسرے سال آپ حج کے ارادے سے روانہ ہوئے، راستے میں جب دہلی پہنچے تو مولانا حسن کشمیری نے جو آپ کے دوستوں میں سے تھے، حضرت خواجہ باقی باللہ کی بہت تعریف کی اور ان سے ملنے کی ترغیب دی، چونکہ آپ کو نسبت نقشبندیہ عالیہ کا شوق پہلے سے تھا۔ اس لئے آپ حضرت خواجہ کی خدمت میں حاضر ہوئے۔ وہ مہربانی سے پیش آئے، اور آپ کا ارادہ قصد دریافت کیا۔ آپ نے اپنا عزم ظاہر کیا۔ حضرت خواجہ کا شیوہ یہ نہ تھا کہ کسی طالب کو بذاتِ خود اپنے آپ اخذ طریقہ کا اشارہ کریں یا ایسے سفر مبارک سے روک کر اپنی خانقاہ میں سکونت کے لئے ارشاد فرمائیں، مگر چونکہ اس شہباز بلند پرواز کی قابلیت واستعداد بلند پر نظر عالی تھی، اس لئے اپنی عادت سے تجاوز کر کے فرمایا کہ اگرچہ تم سفر مبارک کا ارداہ رکھتے ہو لیکن کچھ مدت کم سے کم ایک ماہ یا ایک ہفتہ فقراء کی صحبت میں رہو تو کیا حرج ہے، حسب الارشاد آپ نے ایک ہفتہ کا قیام اختیار فرمایا۔ ابھی دو روز بھی نہ گذرے تھے کہ حضرت خواجہ کے کشش وتصرف سے آپ پر اخذ طریقہ نقشبندیہ کا شوق غالب ہوا۔ آپ نے حضرت خواجہ سے عرض کیا۔ حضرت خواجہ نے فی الفور بغیر استخارہ کے داخل طریق کرلیا اور خلوت میں لے جا کر توجہ شروع کی۔ چنانچہ اسی وقت آپ کا دل ذاکر ہوگیا اور حلاوت والتذاذ پیدا ہوا اور روز بروز ترقیات وعروجات ظاہر ہونے لگے۔

ان ایام میں ایک روز حضرت خواجہ نے آپ کے رشد وارشاد اور بلند استعداد کو دیکھ کر آپ کو خلوت میں طلب کیا اور وہ وقائع بیان کئے جو اس سے چند سال پیشتر آپ کے علو حال وکمال کی نسبت معائنہ کئے تھے از آنجملہ ایک یہ تھا کہ آپ نے فرمایا کہ جب میرے مخدوم مولانا خواجہ امکنگی قدس سرہ نے مجھے حکم دیا کہ تم ہندوستان میں جاؤ تاکہ یہ سلسلہ شریفہ تمہارے ذریعہ سے وہاں جاری ہوجائے تو میں نے اپنے تئیں اس خدمت کے لائق نہ سمجھ کر عذر کیا۔ آپ نے استخارہ کے لئے فرمایا۔ میں نے استخارہ میں دیکھا کہ گویا ایک طوطی شاخ پر بیٹھا ہے۔

میں نے اپنے دل میں نیت کی کہ اگر وہ طوطی شاخ سے اٹھ کر میرے ہاتھ پر بیٹھ جائے تو میرے لئے اس سفر میں بہت سے فتوح ظاہر ہوں گے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ طوطی اٹھ کر میرے ہاتھ پر آبیٹھا اور میں نے اپنا لعاب دہن اس کے منہ میں ڈالا اور اس طوطی نے میرے منہ میں شکر ڈالی۔ دوسرے روز میں نے یہ واقعہ حضرت مولانا خواجہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے فرمایا کہ طوطی ہندوستان کا جانور ہے۔ ہندوستان میں تمہارے دامن برکت سے ایک بزرگ کا ظہور ہوگا جس سے ایک جہان روشن ہو جائے گا اور تم بھی اس سے بہرور ہوگے۔ یہ واقعہ بیان کر کے حضرت خواجہ نے آپ سے فرمایا کہ حضرت مولانا کا اشارہ تمہاری طرف تھا۔ دوسرا واقعہ یہ ہے کہ آپ سے فرمایا کہ جب میں حضرت مولانا خواجہ قدس سرہ سے رخصت ہو کر ہندوستان میں آیا اور تمہارے شہر سرہند میں پہنچا تو واقعہ میں مجھے بتایا گیا کہ تم قطب کے پڑوس میں اترے ہو اور اس قطب کے حلیہ سے بھی اطلاع بخشی گئی۔ صبح کو اٹھ کر میں شہر کے درویشوں اور گوشہ نشینوں کی ملاقات کے لئے گیا لیکن کسی کو اس حلیہ کے مطابق نہ پایا اور نہ کسی سے خطیب کے آثار نظر آئے میں نے خیال کیا کہ شہر والوں میں سے کسی میں قطبیت کی قابلیت ہوگی کہ جس کا ظہور بعد میں ہوگا، مگر جس روز میں نے تم کو دیکھا، تمہارا حلیہ اس حلیہ کے مطابق پایا اور اس قابلیت کا نشان بھی تم میں دیکھا گیا۔ حضرت خواجہ نے یہ بھی فرمایا کہ واقعہ میں دیکھا گیا کہ میں نے ایک بڑا چراغ جلایا ہے، جس کی روشنی ساعت بساعت بڑھتی جاتی ہے اور لوگوں نے اس چراغ سے بہت سے چراغ روشن کر لئے ہیں، میں جو سرہند کے نواح میں پہنچا تو وہاں کے جنگل و صحرا کو مشعلوں سے پر پایا۔ اس بات کو بھی میں نے تمہارے معاملہ کی طرف اشارہ سمجھا۔ حاصل کلام یہ کہ خدا تعالیٰ کی عنایت اور حضرت خواجہ کی تربیت کی برکت سے جو کچھ حضرت شیخ نے دو تین ماہ میں حاصل کیا وہ بیان میں نہیں آسکتا۔ ایک طالب کی ترغیب کے لئے خود حضرت شیخ نے اس کا ذکر بطریق اجمال اپنے مکتوبات (دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۰) میں کیا ہے۔ جسے ہم بخوف طوالت یہاں نقل نہیں کرتے۔

حضرت خواجہ نے کئی بار فرمایا ہے کہ شیخ احمد کی سرعت سیر کا سبب یہ ہے کہ وہ محبوب و مراد ہیں۔ حضرت شیخ کو حضرت خواجہ کی خدمت میں کچھ بہت دن نہ گزرے تھے کہ حضرت خواجہ نے اپنے ایک مخلص کو خط میں یوں لکھا۔

''شیخ احمد نام کا ایک شخص سرہند کا رہنے والا کثیر العلم اور قوی العلم ہے۔ وہ چند روز فقیر کی صحبت میں رہا۔ اس کے بہت سے عجیب حالات دیکھنے کو آئے۔ وہ ایسا نظر آتا ہے کہ ایک چراغ ہوگا جس سے جہان کے جہان روشن ہو جائیں گے۔ الحمد للہ اس کے احوال کاملہ میرے نزدیک یقینی ہیں، اس شیخ مشار الیہ کے بھائی اور قریبی رشتہ دار ہیں جو سب نیک اور طبقہ علماء سے ہیں۔ جواہر عالیہ سے سمجھ کر کئی سے میں نے ملاقات کی، عجیب لیاقت رکھتے ہیں۔ اس شیخ کے بیٹے جو ابھی بچے ہیں اسرارِ الٰہی سے ہیں۔ حاصل کلام شجرہ طیبہ ہیں۔ اللہ اسے اچھی طرح نشو و نما دے اور فقرائے بابِ الٰہی ہیں اور عجیب دل رکھتے ہیں'' (زبدۃ المقامات)

غرض کہ حضرت خواجہ نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے ایسا بلند استعداد مسترشد آپ کی خدمت میں بھیجا۔ جو آپ کی نظر تربیت کی برکت سے تھوڑے ہی عرصہ میں درجہ کمال و تکمیل کو پہنچ گیا اور حضرت شیخ کو اجازت کاملہ کا خلعت پہنا کر وطن مالوف یعنی سرہند کو روانہ کر دیا اور اپنے طالبوں کی ایک جماعت ان کی خدمت میں متعین کر دی۔

حضرت شیخ وطن میں پہنچ کر حسب الارشاد طالبوں کی تربیت میں مشغول ہوئے اور تھوڑی مدت میں ایک بڑی جماعت کو اپنے فیوضات کے چشمہ سے شاداب کر دیا۔ اسی اثناء میں آپ کی بلند ہمت حاصل شدہ کمال کو قلیل خیال کر کے عروج کی خواہاں ہوئی اور طالبوں کی تربیت سے کنارہ کشی کر کے عزلت کی طرف مائل ہوئی، مگر اللہ تعالیٰ نے وہ مطلب جسے آپ عزلت میں حاصل کرنا چاہتے تھے محض اپنے کرم سے عطا فرمایا اور آپ پھر افاضہ طلاب میں مشغول ہو گئے چنانچہ آپ اپنے ایک مکتوب میں یوں تحریر فرماتے ہیں:۔

''جب حضرت خواجہ نے مجھے کامل مکمل سمجھ کر تعلیم طریقہ کی اجازت دے دی اور طالبوں کی ایک جماعت میرے سپرد کر دی اس وقت مجھے اپنے کمال و تکمیل میں کچھ تردد تھا، فرمایا یہ تردد کا محل نہیں کیونکہ مشائخ عظام نے ان مقامات کو کمال و تکمیل کا مقام بتایا ہے۔ اگر اس مقام میں کچھ تردد پیدا ہو جائے تو ان مشائخ کی کمالیت میں شک لازم آئے گا۔ میں نے حسب الارشاد طریقت کی تعلیم شروع کر دی اور طالبوں کے کام میں توجہات مبذول کیں۔ مریدوں میں بڑے اثر محسوس ہوئے یہاں تک کہ سالوں کا کام گھڑیوں میں آگیا۔ کچھ مدت اس کام میں سرگرم رہا۔ آخر کار پھر اپنے ناقص ہونے کا علم پیدا ہوا اور ظاہر کیا گیا کہ تجلی ذاتی برقی جس کو اکابر مشائخ نے نہایت بتایا ہے وہ اس راہ میں پیدا نہیں ہوئی اور یہ بھی معلوم نہ ہوا کہ سیر الی اللہ اور سیر فی اللہ کیا ہے؟ لہٰذا اس قسم کے کمالات کا حاصل کرنا ضروری ہے۔ اس وقت اپنے ناقص ہونے کا علم دلائل قاطعہ سے ثابت ہو گیا۔ طالبانِ خدا جو میرے گرد تھے میں نے ان کو جمع کر کے اپنے ناقص ہونے کا حال بیان کیا اور سب

سے رخصت چاہی مگر طالبوں نے اس بات کو تواضع پر محمول کیا، اور استفاضہ سے باز نہ آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد حضرت حق سبحانہ نے احوال منتظرہ حاصل کرادئے بطفیل اپنے حبیب پاک ﷺ'' (دفتر اول، مکتوب۔۲۹)

حضرت شیخ کچھ مدت کے بعد اپنے پیر بزرگوار کی زیارت کے لئے پھر دہلی تشریف لے گئے اور دیر تک ان کی صحبت میں رہ کر بہ نسبت سابق درجات و معاملات بلند حال کئے، مگر اپنے پیر بزرگوار کا ادب اس درجہ ملحوظ رکھتے تھے کہ اس سے زیادہ متصور نہیں، چنانچہ صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کے متقبولین میں سے ایک نے مجھ سے بیان کیا کہ جن دنوں ہمارے خواجہ اس خلیفہ عالی درجات یعنی تمہارے شیخ میاں احمد کی طرف نہایت التفات فرماتے تھے اور ان کی تعظیم و توقیر میں مبالغہ کرتے تھے۔ ایک روز کسی ضرورت کے لئے مجھے ان کو بلانے کو بھیجا۔ جب میں نے حاضر خدمت ہو کر کہا کہ حضرت پیر دستگیر نے تمہیں بلایا ہے۔ یہ سنتے ہی آپ کے رخسار کا رنگ ڈر کے مارے متغیر ہو گیا اور غایت خوف سے اضطراب بلکہ رعشہ بدن میں پیدا ہو گیا۔ میں نے اپنے جی میں کہا کہ سبحان اللہ سنا کرتے تھے کہ۔۔۔۔۔نزدیکاں را بیش بود حیرانی۔۔۔۔۔۔آج بچشم خود دیکھ لیا۔

حضرت شیخ رسالہ مبدا و معاد میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

''ہم چار شخص اپنے خواجہ کی خدمت میں لوگوں کے نزدیک تمام یاروں سے ممتاز تھے۔ حضرت خواجہ کی نسبت ہم میں سے ہر ایک کا اعتقاد علیحدہ اور معاملہ جدا تھا۔ یہ فقیر یقینی طور پر جانتا تھا حضور سرور کائنات علیہ وعلی آلہ الصلوۃ والتسلیمات کے زمانے کے بعد ایسی صحبت و اجتماع اور ایسی تربیت و ارشاد کبھی ظہور میں نہیں آیا اور اس نعمت کا شکر بجالاتا تھا کہ اگرچہ حضرت خیر البشر علیہ وعلی الہ الصلوۃ والسلام کی صحبت کے شرف سے مشرف نہیں ہوا مگر اس صحبت کی سعادت سے محروم نہیں رہا۔ حضرت خواجہ ان تینوں کا حال یوں بیان فرماتے تھے کہ فلاں مجھے صاحب تکمیل جانتا ہے لیکن صاحب ارشاد نہیں سمجھتا اور اس کے نزدیک ارشاد کا مرتبہ تکمیل سے زیادہ ہے اور فلاں ہم سے کچھ تعلق نہیں رکھتا اور تیسرے کی نسبت فرماتے تھے کہ وہ ہمارا انکار کرتا ہے۔ ہم میں سے ہر ایک کو اعتقاد کے موافق حصہ ملا۔ اس کے بعد جب حضرت شیخ سرہند واپس آئے تو طالبوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا۔ آپ اپنے حالات اور اپنے یاروں اور پیر بھائیوں کی ترقیوں کا حال بذریعہ عرائض اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں عرض کرتے رہے جیسا کہ مکتوبات شریف دفتر اول کی ابتدائی مکتوبات سے ظاہر ہے۔ اسی طرح حضرت خواجہ بھی اپنے اصحاب موجودین کی ترقیات و قابلیات کا حال غائبانہ حضرت شیخ سے دریافت کیا کرتے تھے اور کبھی عزیز متوقف کے عنوان سے اپنے واسطے بھی حصول مقصد کے لئے دعا و توجہ کی درخواست کرتے تھے۔

جب تیسری بار حضرت شیخ دہلی تشریف لے گئے تو حضرت خواجہ نے حد سے زیادہ آپ کا احترام و اکرام کیا، چنانچہ آپ کے استقبال کے لئے قلعہ فیروزی سے پیدل روانہ ہوئے۔ دروازہ کابلی پر آپ کا استقبال کیا اور بڑے اعزاز سے آپ کو اپنے ہمراہ لے گئے اور اپنے سامنے آپ کو اپنے اصحاب کا سرحلقہ اور صبح و شام کے حلقہ مراقبہ کا مقتدا بنایا اور خود اس حلقہ میں اپنے مسترشدوں کی طرح داخل ہوتے۔ جب حلقہ یا اس مجلس سے، جس میں حضرت شیخ ہوتے، اٹھتے تو غایت ادب کی رعایت سے بطور رجعت قہقری الٹے پاؤں واپس ہوتے۔ اسی طرح تحریر میں بھی نہایت نیاز مندی ظاہر کرتے اور اپنے اصحاب کو بھی تاکید کرتے تھے کہ حضرت شیخ کی خدمت میں ہماری تعظیم نہ کرو بلکہ اپنی توجہ بھی ہماری طرف نہ رکھو۔ القصہ آپ نے اپنے تمام مریدوں کو حضرت شیخ کے حوالہ اور مشیخت و ارشاد کا معاملہ بالکلیہ ان کے سپرد کر دیا۔ فرمایا کہ ضعف بدن کے آثار بہت ظاہر ہوتے ہیں، اب زندگی کی امید بہت کم ہے اور اپنے فرزندان گرامی خواجہ عبید اللہ اور خواجہ عبد اللہ کو جو ابھی بچے تھے، طلب فرما کر ان کے حق میں حضرت سے توجہ کی خواہش فرمائی بلکہ ان کی والدات کو بھی غائبانہ توجہ کرائی، میر محمد نعمان کا بیان ہے کہ جب حضرت خواجہ نے اپنے تمام اصحاب کو حضرت شیخ کے حوالہ کر دیا تو اس وقت مجھ سے بھی فرمایا کہ حضرت شیخ کی صحبت کو سعادت سمجھ کر ان کی خدمت میں رہا کرو، چونکہ پیر بھائی ہونے کی وجہ سے نفس میں رعونت متمکن تھی میں نے حضرت خواجہ سے عرض کیا کہ وہ ہر چند بزرگ ہیں مگر میری توجہ کا قبلہ تو آپ کی درگاہ ہے۔ یہ سن کر حضرت خواجہ نے خفا ہو کر فرمایا:

''میاں شیخ احمد ایسے آفتاب ہیں کہ ہم جیسے ہزاروں ستارے ان کے ضمن میں گم ہیں۔ کامل اولیائے متقدمین میں سے خال خال ان کی مثل ہوئے ہوں گے''۔ (زبدۃ المقامات)

اس کے بعد درست اعتقاد اور پوری نیاز مندی سے حضرت شیخ کی خدمت میں پہنچا۔ میر ممدوح ہی بیان کرتے ہیں کہ ایک روز حضرت شیخ اپنے حجرے میں چار پائی پر سو رہے تھے کہ ناگاہ حضرت خواجہ اکیلے آپ کی ملاقات کے لئے حجرے کے دروازے پر پہنچے۔ خادم نے حضرت شیخ کو جگانا چاہا۔ حضرت خواجہ نے بتاکید تمام اسے منع کیا اور خود بڑی نیاز مندی اور ادب سے دروازے کے باہر انتظار کیا۔ ایک لمحہ گزرا تھا کہ

حضرت نے بیدار ہوکر آواز دی کہ دروازے کے باہر کون ہے؟ حضرت خواجہ نے نہایت ادب سے کہا کہ فقیر محمد باقی ہے۔ یہ سن کر حضرت اپنی چارپائی سے اضطراب کی حالت میں اتر کر باہر آئے اور نہایت نیازمندی وانکسار سے حضرت خواجہ کی خدمت میں بیٹھ گئے، غرضیکہ وہ صحبت و معاملہ جوان دونوں پیر و مرید کے درمیان ظہور میں آیا ہے موجب حیرت اور عجائب روزگار سے ہے۔ کسی نے دیکھا تو کیا ایسا سنا بھی کم ہوگا۔

حضرت خواجہ نے فقرات مدحیہ جو حضرت شیخ کی شان میں فرمائے ہیں وہ تحریر میں نہیں آسکتے۔ ایک روز فرمایا کہ آپ کامل مردوں اور محبوبوں میں سے ہیں۔ دوسرے موقع پر فرمایا کہ آج آسمان کے نیچے صوفیائے کرام میں سے کوئی آپ جیسا نہیں۔ ایک دفعہ فرمایا کہ صحابہ اور کامل تابعین و مجتہدین کے بعد اخص الخواص میں سے گنتی کے چند آپ جیسے نظر آتے ہیں۔ حضرت خواجہ ہی کا ارشاد ہے کہ ان تین چار سالوں میں ہم نے مشیخت نہیں کی، بلکہ چند روز کھیل کھیلا ہے۔ سو الحمد للہ والمنۃ کہ ہمارا یہ کھیل اور یہ دوکانداری رائیگاں نہیں گئی کہ جس سے ایسا شخص ظاہر ہوگیا۔ خود حضرت شیخ کی زبانی سنا گیا کہ طالبوں کی تربیت میں حضرت خواجہ قدس سرہ کی سرگرمی اس وقت تک تھی کہ میرا معاملہ انتہا کو نہ پہنچتا تھا۔ جب میرے کام سے فارغ ہوگئے تو دیکھا گیا کہ آپ نے اپنے تئیں مشیخت کے کام سے ہٹالیا اور طالبوں کو میرے حوالے کر کے فرمایا کہ ہم اس بیج کو بخارا اور سمرقند سے لائے اور ہند کی برکت والی زمین میں بودیا۔ حضرت خواجہ نے آخر کار یہ بھی فرمایا ہے کہ فلاں (حضرت شیخ احمد) کی صحبت کے اثر سے اخیر میں معلوم ہوا کہ توحید تنگ کوچہ ہے اور اس سے اوپر وسیع شاہراہ ہے۔

تیسری دفعہ جب حضرت شیخ وطن واپس تشریف لائے تو اس کے بعد حضرت خواجہ سے آپ کی ملاقات نہیں ہوئی۔ سرہند میں آپ نے چند روز قیام کیا پھر لاہور تشریف لے گئے، وہاں کے اصاغر و اکابر نے آپ کی تشریف آوری کو غنیمت سمجھا اور خواص و عوام میں سے بہت سے لوگ داخل طریقہ ہوئے اور بڑی سرگرمی سے ہر جگہ حلقہ و شغل و مراقبہ ہونے لگا۔

قیام لاہور کے اثنا میں ایک روز مولانا جمال تلوی رحمۃ اللہ نے آپ سے سوال کیا کہ آپ جامع علوم ظاہری و باطنی ہیں۔ مسئلہ وحدت وجود میں جو ظاہر شرع سے چنداں موافقت نہیں رکھتا اور بہت سے اولیائے کاملین کا مشرب ہے آپ کیا فرماتے ہیں۔ اس پر آپ نے مولانا کے کان میں چند کلمے کہے جن کو سن کر مولانا کی آنکھ سے آنسو ٹپک پڑے اور ارباب حال کی طرح ان کے چہرے پر تغیر پیدا ہوگیا اور مولانا آپ کے زانو پر ہاتھ لگا کر اسی حالت میں بانکسار تمام رخصت ہوئے۔ کسی کو معلوم نہ ہوا کہ حضرت نے کیا ارشاد فرمایا اور مولانا نے کیا سنا۔

ندانم چہ گفتی چہ انگیختی
کہ گفتی و از دیدہ خوں ریختی

حضرت شیخ کے اصحاب میں سے ایک نے صاحب زبدۃ المقامات سے بیان کیا کہ حضرت نے فرمایا کہ اوائل میں جب نسبت احاطہ و سریان و معیت کا غلبہ تھا ایک روز کسی نے میرے سامنے قلم و قط لگایا تو میری انگلی کٹ گئی۔

قصہ کوتاہ جب لاہور میں ارباب فضل کے ساتھ صحبت گرم تھی۔ ناگاہ حضرت خواجہ بزرگوار کے انتقال کی خبر پہنچی۔ آپ بحالت اضطراب دہلی کو روانہ ہوئے اور وہاں پہنچ کر روضہ مقدس کی زیارت اور صاحبزادگان اور پیر بھائیوں کی ماتم پرسی کی۔ حضرت خواجہ کے اصحاب آپ کے حلقہ میں بدستور سابق حاضر ہوتے۔ حسب وصیت پیر بزرگوار آپ بھی ان کی طرف صدق دل سے متوجہ ہوتے۔ آپ کی توجہات سے وہی باطنی طراوت و تازگی نظر آنے لگی جو حضرت خواجہ کی حیات میں تھی، مگر بعض اصحاب نے از راہ حسد آپ کی مخالفت شروع کی۔ حضرت شیخ نے ان کے شکوک و شبہت کے دفعیہ کے لئے بہت کچھ نصیحت فرمائی مگر سودمند نہ ہوئی۔ آپ نے بعضوں کی نسبتیں بھی سلب فرمائیں، مگر وہ رو براہ نہ ہوئے، بلکہ سب جمع ہو کر حضرت خواجہ کے روضہ پر گئے اور توجہ و التجا بجالائے ان میں سے ایک صاحب کشف بھی تھے۔ انہوں نے دیکھا کہ ان درویشوں میں سے ہر ایک نے چراغ جلایا ہے۔ ایک چمکتی ہوئی بجلی آئی اور اس نے سب کے چراغوں کو گل کردیا۔ وہ چراغ ان درویشوں کی دعا و توجہ تھی اور چمکتی بجلی حضرت شیخ کی توجہ عالی تھی۔ بااین ہمہ انہوں نے آپ کی طرف جیسا کہ استفاضہ کے لئے چاہیے رجوع نہ کیا اور حضرت وطن کو تشریف لے آئے۔ کچھ عرصہ کے بعد انہوں نے متنبہ ہوکر آپ سے معافی مانگی، آپ نے براہ کرم معاف فرمایا۔ اس کے بعد حضرت شیخ ماہ جمادی الاخرے میں حضرت خواجہ قدس سرہ کے عرس پر دہلی حاضر ہوتے اور چند روز ٹھہر کر سرہند واپس آجاتے۔ دو تین مرتبہ آگرہ جانے کا بھی اتفاق ہوا۔ باقی تمام وقت سرہند ہی میں قیام پذیر رہے۔ ہاں اخیر عمر میں کئی سال سلطان وقت کی مزاحمت کے سبب سے لشکر شاہی کے ساتھ بعض شہروں میں جانا پڑا جیسا کہ آگے بیان ہوگا۔

فضائل و مکاشفات:

(۱) علامہ سیوطی نے جمع الجوامع میں یہ حدیث نقل کی ہے۔ قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم یکون فی امتی رجل یقا ل لہ

صلة یدخل الجنة بشفاعته کذا و کذا ۔یعنی فرمایا نبی کریم ﷺ نے کہ میری امت میں ایک شخص ہوگا جسے صلہ کہا جائے گا۔اس کی شفاعت سے اتنے اتنے مسلمان بہشت میں داخل ہوں گے۔ یہ حدیث گویا حضرت شیخ ﷺ کے وجود مسعود کی طرف اشارہ ہے اور آپ خود یوں فرماتے ہیں:

''میں اپنی پیدائش سے مقصود جو کچھ سمجھتا تھا معلوم ہوا کہ وہ حاصل ہو گیا اور مسئول ہزار سالہ قبول ہو گیا۔ ہر حال میں اکمل حمد اس خدا کے لئے ہے جس نے مجھے دو سمندروں کو ملانے والا (صلہ) اور دو گروہوں میں صلح کروانے والا بنایا اور درود و سلام ہو حضرت خیر الانام پر اور ان کے برادران کرام انبیاء و ملائکہ عظام پر'' (مکتوبات: دفتر دوم۔مکتوب:۶)

حضرت شیخ کے ارشاد میں دو سمندروں سے مراد شریعت و طریقت اور گروہوں سے مراد علماء و صوفیہ کرام ہے **والله اعلم با لصواب**

(۲) صاحب حضرات القدس نے لکھا ہے کہ میں نے مقامات شیخ الاسلام شیخ احمد جام قدس سرہ میں لکھا دیکھا ہے انہوں نے فرمایا کہ میرے بعد سترہ آدمی میری مثل اور میرے ہم نام ظاہر ہوں گے اور ان میں آخری شخص بعثت نبوی ﷺ سے ہزار سال بعد ظاہر ہوگا اور وہ ان میں سب سے بڑا بزرگ ہوگا۔ یہ پیش گوئی حضرت مجدد ﷺ پر صادق آتی ہے۔ جو بشارات حضرت شیخ کی نسبت حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ کی زبان مبارک سے صادر ہوئیں وہ پہلے بیان ہو چکی ہیں۔ان کے اعادہ کی یہاں ضرورت نہیں۔

(۳) حضرت شیخ جناب سرور کائنات علیہ الصلوات والتسلیمات کی طینت (خمیر جسم اطہر) کے بقیہ سے پیدا ہوئے تھے۔چنانچہ اس امر کی طرف آپ خود یوں اشارہ فرماتے ہیں:

''سنئے سنئے۔اگر چہ اس دولت خاصہ محمدی (یعنی حضرت ﷺ کی خلقت کا ظہور نفس اسم الٰہی ہونا) میں کسی دوسرے کو شرکت نہیں۔مگر فقیر اس قدر معلوم کرتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی اس دولت خاصہ سے آپ کی تخلیق و تکمیل کے بعد بقیہ رہ گیا تھا کیونکہ سخیوں کی ضیافت کی دولت کے خوان میں زیادتیاں ضرور ہوا کرتی ہیں۔ جو بصورت الش نوکروں کے نصیب ہوتی ہیں۔ وہ بقیہ آنحضرت ﷺ کی امت کے دولتمندوں میں سے ایک کو بطور الش عطا کیا گیا ہے اور اس کو خمیر مائع بنا کر اس امتی کی طینت میں گوندھا گیا ہے اور اسے تبعیت و وراثت کے طور پر آنحضرت ﷺ کی دولت خاصہ میں شریک کیا گیا ہے۔ با کریماں کار ہا دشوار نیست یہ بقیہ حضرت آدم علیٰ نبینا و علیہ الصلوٰت والسلام کی طینت کے بقیہ کی مانند ہے جو درخت خرما کی خلقت کے نصیب ہو گیا ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا ہے۔ **اکرمو اعمتکم النحلة فا نها خلقت من طينة ادم** ہاں سخیوں کے پیالہ میں سے زمین کو حصہ ملا کرتا ہے''۔(مکتوبات،دفتر سوم،مکتوب ۱۰۰)

ایک بزرگ نے کیا خوب کہا ہے:

نے نے ترا ز بت یثرب گرفتہ اند

پنہاں زشام وردم بہ سر ہند ہشتہ اند

حضرت قاضی ثناء اللہ پانی پتی رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا ہے کہ ممکن ہے کہ بعض اولیاء اللہ بعض پیغمبروں کی طینت کے بقیہ سے پیدا ہوئے ہوں اور رسول اکرم ﷺ کی طینت کے بقیہ سے بھی پیدا ہوئے ہوں۔اس کے بعد بعنوان سوال لکھا ہے کہ یہ بات تو عقل میں نہیں آتی، کیونکہ ہر شخص اپنے والدین کے نطفہ سے پیدا ہوتا ہے۔اس سوال کے جواب میں لکھتے ہیں کہ اکثر چیزیں ایسی ہیں جو انسان کی عقل سے ثابت نہیں ہوتیں، بگر شریعت سے ثابت ہوتی ہیں یا کشف والہام سے، مثلاً نفس ولایت جس سے مراد قرب الٰہی ہے۔امام محی السنہ بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے تفسیر معالم التنزیل میں آیہ کریمہ **منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرىٰ** کی تفسیر میں عطائے خراسانی کا یہ قول ذکر کیا ہے کہ نطفہ جو رحم میں قرار پکڑتا ہے، فرشتہ کچھ خاک اس مکان سے لاتا ہے جس میں وہ دفن کیا جائے گا اور اس نطفہ میں ڈال دیتا ہے، پس آدمی خاک ونطفہ سے پیدا ہوتا ہے اور خطیب نے بروایت ابن مسعود ﷺ ذکر کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا:

مامن مو لود الا فی سر ته التر بة التی یو لد منها فا ذاردا لی ارذل عمره رد الیٰ تربته التی خلق منها و دفن فیها و انی و ابا بکر و عمر خلقنا من تربته واحدة و فیها ندفن

''نہیں کوئی مولود مگر یہ کہ اس کی ناف میں وہ خاک ہے کہ جس سے پیدا ہوتا ہے پس جب وہ ارذل عمر یعنی موت کے وقت پر پہنچتا ہے تو اسی خاک میں لوٹایا جاتا ہے کہ جس سے پیدا ہوا تھا اور اسی میں دفن ہوتا ہے اور تحقیق میں اور ابوبکر و عمر ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور اسی میں دفن ہوں گے''۔

میرزا محمد بدخشانی علیہ الرحمہ نے کہا ہے کہ اس حدیث کے شواہد ہیں بروایت ابن عمر و ابن عباس (ابوسعید و ابو ہریرہ رضی اللہ عنہم) جو ایک

دوسرے کو قوت دیتے ہیں۔ شرح صحیح بخاری میں کتاب الجنائز میں ابن سیرین کا یہ قول مذکور ہے کہ اگر میں قسم کھاؤں تو سچا ہوں اور مجھے شک نہیں کہ رسول اللہ ﷺ اور ابوبکر اور عمر رضی اللہ عنہم ایک خاک سے پیدا ہوئے ہیں اور رسول اللہ ﷺ نے حضرت عبداللہ بن جعفر سے فرمایا کہ تو میری خاک سے پیدا ہوا ہے اور تیرا باپ فرشتوں کے ساتھ آسمان میں پرواز کرتا ہے اور جائز ہے کہ وہ خاک جو حق تعالیٰ نے کسی پیغمبر کے لئے مہیا کی ہو اور آغاز پیدائش سے اس کی زمین کو انوار برکات و نزول رحمت سے پرورش کیا ہو اس میں سے کچھ بقیہ رہ جائے جو اولیاء اللہ میں سے کسی شخص کا خمیر مایہ بنے۔ یہ امر از روئے عقل محال نہیں اور شروع سے مستفاد اور کشف سے ثابت ہے اور اس کو اصطلاح میں اصالت کہتے ہیں۔ (ارشاد الطالبین)

(۴) حضرت شیخ مجدد الف ثانی تھے۔ یعنی سنہ ہجرت کے حساب سے دوسرے ہزار سال کے مجدد تھے۔ چنانچہ آپ سیادت مآب میر محمد نعمان کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''عین الیقین اور حق الیقین کی نسبت کیا کہوں۔ اگر کہوں تو کون سمجھے گا۔ یہ معارف ولایت کے احاطہ سے خارج ہیں۔ ارباب ولایت مثل علمائے ظواہر کے ان کے سمجھنے میں عاجز ہیں اور اس کی دریافت میں قاصر ہیں۔ یہ علوم انوار نبوت کی مشکوٰۃ سے اقتباس کئے گئے ہیں (ارباب نبوت پر درود و سلام و تحیہ ہو) جو الف ثانی (دوسرے ہزار) کی تجدید کے بعد تبعیت اور وراثت سے تازہ ہوئے ہیں اور تر و تازگی کے ساتھ ظہور میں آئے ہیں۔ ان علوم و معارف کا صاحب اس موجودہ الف کا مجدد ہے۔ چنانچہ جو لوگ اس کے ان علوم و معارف کو دیکھتے ہیں جو ذات وصفات و افعال اور احوال و مواجید و تجلیات و ظہورات کے متعلق ہے۔ ان پر یہ امر پوشیدہ نہیں اور وہ جانتے ہیں کہ یہ علوم و معارف علماء کے علوم اور اولیاء کے معارف سے پرے کے ہیں۔ بلکہ علماء و اولیاء کے علوم ان علوم کی نسبت پوست ہیں اور یہ معارف اس پوست کا مغز ہیں۔ اللہ پاک ہادی ہے اور معلوم رہے کہ ہر صدی کے سر پر ایک مجدد گزرا ہے۔ لیکن صدی کا مجدد اور ہے اور الف (ہزار) کا مجدد اور سو اور ہزار میں جتنا فرق ہے اتنا ہی بلکہ اس سے بھی زیادہ ان کے مجددوں میں بھی فرق ہے۔ مجدد وہ ہوتا ہے کہ اس مدت میں جو فیوض امتیوں کو پہنچتے ہیں خواہ وہ اس وقت کے اقطاب و اوتاد اور بدلا و نجبا ہوں، اسی کی وساطت سے پہنچتے ہیں۔

خاص کند بندہ مصلحت عام را۔

''خدا مصلحت عامہ کے لئے کسی بندے کو مخصوص کر دیتا ہے۔'' (مکتوبات، دفتر دوم، مکتوب ۴)

ایک اور مکتوب میں جو آپ نے اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کے نام لکھا ہے اپنی تجدید کی طرف یوں اشارہ کیا ہے:

''اے فرزند! اب وہ وقت ہے کہ پہلی امتوں میں ایسے وقت میں جو تاریکی سے پر ہے اولوالعزم پیغمبر مبعوث ہوا کرتا تھا اور وہ نئی شریعت کو زندہ کیا کرتا تھا۔ اس امت میں جو خیر الامم ہے اور جس کے پیغمبر خاتم الرسل ہیں، علماء کو بنی اسرائیل کے پیغمبروں کا مرتبہ دیا گیا ہے اور انبیاء کے وجود سے صرف علماء کے وجود پر اکتفاء کیا گیا ہے۔ اس لئے ہر صدی کے سرے پر اس امت کے علماء میں سے ایک مجدد متعین ہوتا ہے جو شریعت کو زندہ کرتا ہے۔ بالخصوص ہزار سال گذرنے کے بعد، جو پہلی امتوں میں اولوالعزم پیغمبر کے مبعوث ہونے کا وقت تھا اور اس وقت ہر پیغمبر پر اکتفانہ کیا جاتا تھا۔ ایسے وقت میں ایک عالم عارف تام المعرفت درکار ہے۔ جو پہلی امتوں کے اولوالعزم پیغمر کا قائم مقام ہو۔

فیض روح القدس او باز مدد فرماید
دیگراں ہم بکنند آنچا مسیحا مے کرے کرد

اگر روح القدس کا فیض پھر مدد فرمائے، تو دوسرے بھی وہ کر دکھائیں جو حضرت مسیح کیا کرتے تھے۔

سیادت مآب میر محمد نعمان کو ایک مکتوب میں یوں لکھتے ہیں:

''اس امت کی آخیریت کا آغاز جناب سرورِ کائنات علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام کی وفات شریف سے دوسرے ہزار سال کے شروع سے ہیں۔ کیونکہ ہزار کے گزرنے کو تغیر امور میں بڑی خاصیت اور تبدیل اشیاء میں زبردست تاثیر ہے، چونکہ اس امت میں نسخ و تبدیل نہیں، اس لئے سابقین کی نسبت اسی تر و تازگی سے متاخرین میں جلوہ گر ہوئی ہے اور شریعت کے تائید اور ملت کی تجدید دوسرے ہزار میں کی گئی ہے۔ اس بات کے سچے گواہ حضرت عیسیٰ علی نبینا وعلیہ الصلوٰۃ السلام اور حضرت مہدی علیہ الرضوان ہیں۔

فیض روح القدس ارباز مدد فریاد
دیگراں ہم بکنند آنچہ مسیحا مے کرد

بھائی جان! یہ بات آج اکثر لوگوں پر ناگوار اور ان کی سمجھ سے دور ہے لیکن اگر وہ انصاف سے کام لیں اور ایک دوسرے کے علوم

WWW.NAFSEISLAM.COM

ومعارف کا مقابلہ کریں اور احوال کے صحت وسقم کو علوم شرعیہ کی کسوٹی سے پرکھیں اور دیکھیں کہ شریعت اور نبوت کی تعظیم وتوقیر کس میں زیادہ ہے تو شاید اس بات کو بعید سمجھنے سے باز آجائیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ فقیر نے اپنی کتابوں اور رسالوں میں لکھا ہے کہ کمالات ولایت کو کمالات نبوت سے کوئی نسبت نہیں۔ کاش دریائے محیط سے ایک قطرہ کی نسبت رکھیں۔ اس طرح کی باتیں بہت لکھیں ہیں خصوصا اس مکتوب (دفتر اول مکتوب ۲۶۰) میں جو میں نے اپنے فرزند محمد صادق کے نام لکھا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیں۔ اس گفتگو سے مقصود حضرت حق سبحانہ کی نعمت کا اظہار اور اس طریقت کے طالبوں کی ترغیب ہے، نہ کہ دوسروں پر اپنے آپ کو فضیلت دینا۔ خدا جل علاء کی معرفت اس شخص پر حرام ہے۔ جو اپنے تئیں کافر فرنگ سے بہتر سمجھے۔ چہ جائیکہ اکابر دین سے اپنے تئیں اچھا سمجھے۔

ولے چوں شہ مرا برداشت از خاک
سز دگر بگزر انم سرزا فلاک
من آں خاکم کہ ابر نو بہاری
کنداز لطف بر من قطرہ باری
اگر برروید از تن صدز بانم
چو سوسن لشکر لطفش کے توانم

(مکتوبات دفتر اول، مکتوب ۲۶۱)

طبقہ علماء میں سے مولانا عبدالحکیم سیالکوٹی جن کا تبحر علمی مشہور ہے، پہلے عالم ہیں جنہوں نے حضرت شیخ کو مجدد الف ثانی لکھا اور تجدید الف اثبات میں ایک رسالہ دلائل التجدید تصنیف فرمایا۔ واضح رہے کہ جمعہ کے دن ربیع الاول کی دسویں تاریخ ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو تجدید کا خلعت زیب تن ہوا۔

(۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالی نے منصب قیومیت عطا فرمایا: چنانچہ روضہ قیومیہ میں ہے کہ ایک روز آپ نماز ظہر کے بعد مراقبہ میں بیٹھے تھے۔ ناگاہ آپ نے اپنے اوپر ایک خلعت عالی نورانی پایا۔ ایسا معلوم ہوا کہ یہ خلعت تمام ممکنات کی قیومیت کا ہے۔ جو بوراثت وتبعیت ختم الرسل ﷺ عطا ہوا ہے۔ اتنے میں حضرت سید المرسلین ورحمۃ للعالمین ﷺ تشریف لائے اور اپنے دستِ مبارک سے آپ کے سر پر دستار باندھی اور منصب قیومیت کی مبارکباد دی۔ قیومیت کی کیفیت حضرت کے مکتوبات (دفتر ثالث، مکتوب ۷۹، ۸۰) میں درج ہے۔ بباعث طوالت یہاں نقل نہیں کی گئی۔

واضح رہے دوشنبہ کا دن ۲۷ رمضان ۱۰۱۰ھ تھا کہ حضرت شیخ کو خلعت قیومیت عطا ہوا۔

(۶) قیومیت کے دوسرے سال شاہ سکندر قادری جو شاہ کمال کیتھلی رحمۃ اللہ علیہ کے پوتے اور خلیفہ تھے، کیتھل سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور خرقہ حضرت غوث اعظم رضی اللہ عنہ جو ان کے سلسلہ میں بطور امانت چلا آتا تھا آپ کے کندھے پر رکھ دیا۔ آپ اس وقت یاروں کے ساتھ مراقبہ میں تھے۔ جب آپ نے آنکھ کھولی تو شاہ صاحب کو دیکھ کر تواضع سے معانقہ کیا۔ شاہ صاحب نے بیان کیا کہ مجھے معاملہ میں کئی دفعہ میرے دادا شاہ کمال نے حکم دیا کہ میرا خرقہ فلاں یعنی آپ کو پہنچادو۔ اگر چہ ایسے متبرک خرقہ کو گھر سے نکال کر کسی کو دینا میرے لئے مشکل تھا، لیکن جب مجھے تاکیدی حکم ملا۔ میں نے ناچار تعمیل کی۔ حضرت شیخ اس خرقہ کو پہن کر حرم سرا میں تشریف لے گئے۔ کچھ دیر کے بعد جو نکلے تو اپنے بعض محرمان اسرار سے کہا کہ اس خرقہ کے پہننے کے بعد عجیب معاملہ پیش آیا۔ جب میں نے اسے پہنا تو حضرت شیخ الجن والانس سید عبدالقادر جیلانی اور ان کے تمام خلفاء حضرت شیخ کمال تک حاضر ہوئے۔ حضرت غوث ربانی نے میرے دل کو اپنے تصرف میں کر لیا اور خاص نسبتوں کے انوار واسرار سے منور کر دیا۔ ان انوار کے غلبہ میں میرے دل میں یہ بات آئی کہ تو اکابر نقشبندیہ کا تربیت یافتہ ہے۔ اب یہ صورت پیش آئی ہے۔ اس خیال کا آنا تھا کہ مسائل سلسلہ نقشبندیہ خواجہ عبدالخالق سے لے کر خواجہ باقی باللہ تک آحاضر ہوئے اور مشائخ ہر دو سلسلہ کے درمیان میری نسبت مباحثہ ہوا۔ اکابر نقشبندیہ نے کہا کہ یہ ہمارا تربیت یافتہ ہے اور ہماری تربیت سے ذوق وصال وکمال کو پہنچا ہے۔ اکابر قادریہ نے کہا کہ بچپن سے ہماری نظر اس پر ہے اور ہمارے خوان نعمت سے بہرور ہے اور اب بھی ہمارا خرقہ پہنے ہوئے ہے۔ دونوں فریق اسی مباحثہ میں تھے۔ کہ مشائخ رویہ وچشتیہ رحمھم اللہ تعالیٰ کی ایک جماعت نے دونوں میں صلح کرادی، یعنی تمام اکابر نے آپ کو اپنا مقبول بنانے میں اتفاق کیا اور ہر ایک نے اپنی نسبت سے سرفراز فرمایا۔

(۷) حضرت شیخ کو اللہ تعالی نے علماء راسخین سے بنایا اور آپ پر اسرار متشابہات قرآنی اور رموز مقطعات فرقانی ظاہر فرمائے۔ چنانچہ آپ

Nafseislam
WWW.NAFSEISLAM.COM

میاں شیخ بدیع الدین کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی جان! حضرت حق سبحانہ تعالیٰ نے اپنی کتاب کو دو قسم بنایا۔ محکمات و متشابہات، پہلی قسم ماخذ ہے علم شرائع و احکام کا اور دوسری قسم مخزن ہے حقائق و اسرار کا۔ الفاظ ید، وجہ قدم، ساق، اصابع، اور انامل جو قرآن و حدیث میں آئے ہیں سب قسم متشابہات سے ہیں۔ اسی طرح حروف مقطعات جو قرآن کی سورتوں کے شروع میں آئے ہیں وہ بھی قسم متشابہات سے ہیں، کہ جن کی تاویل پر علمائے راسخین کے سوا کسی کو آگاہی نہیں دی گئی۔ آپ یہ خیال نہ کریں کہ تاویل سے مراد قدرت ہے جو لفظ ید سے تعبیر کی گئی ہے یا ذات جو لفظ وجہ سے تعبیر ہوئی ہے، بلکہ ان کی تاویل پوشیدہ اسرار سے ہے جو اخص الخواص کو بتائی گئی ہے۔ حروف مقطعات قرآنی کی بابت کیا لکھوں کہ ان میں سے ہر ایک حرف عاشق و معشوق کے پوشیدہ اسرار کا ایک موج زن سمندر ہے اور محبّ و محبوب کی باریک رمزوں میں سے ایک پوشیدہ رمز ہے۔ محکمات اگرچہ قرآن کے اصول ہیں لیکن ان کے نتائج و ثمرات جو متشابہات ہیں کتاب کے مقاصد سے ہیں (یہاں تک کہ فرمایا) مدتوں تک یہ فقیر متشابہات کی تاویل کو حوالہ بعلم حضرت حق سبحانہ کرتا رہا اور متشابہات پر ایمان کے سوا علماے راسخین کا حصہ نہ سمجھتا تھا اور جو تاویلیں کہ علمائے صوفیاء نے بیان کیا ہیں ان کو متشابہات کی شان کے لائق نہ جانتا تھا اور ان تاویلوں کو ان اسرار سے تصور نہ کرتا تھا جو پوشیدگی کے قابل ہوں، چنانچہ عین القضاۃ نے بعضے متشابہات مثلاً الم کی تاویل میں کہا ہے کہ اس سے مراد الم درد ہے جو عشق و محبت کو لازم ہے اور اسی طرح کی کئی اور تاویلیں بتائی ہیں۔ آخر کار جب حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ نے محض اپنے فضل متشابہات کی تاویلات کا ایک شمہ اس فقیر پر ظاہر کیا اور اس دریائے محیط سے ایک نہر اس مسکین کی استعداد کی زمین میں نکال دی تو معلوم ہوا کہ متشابہات کی تاویلات سے علمائے راسخین کو بھی حظ وافر حاصل ہے۔''
(مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب: ۲۷۶)

(۸) حضرت شیخ محدث (بفتح دال) تھے چنانچہ آپ خواجہ محمد صدیق کو تحریر فرماتے ہیں:

''بھائی صدیق! جان لے کہ اللہ سبحانہ کا کلام انسان کے ساتھ کبھی روبرو ہوتا ہے اور اس طرح کا کلام آحاد انبیاء علیہم الصلوٰۃ والتسلیمات کے لئے ہے اور ایسا کلام کبھی آحاد انبیاء کے کامل تابعین کے لئے بھی بطور تبعیت و وراثت ہوتا ہے جب اس قسم کا کلام تابعین میں سے کسی شخص کے ساتھ کثرت سے ہوتا ہے تو اس شخص کو محدث کہتے ہیں۔ جیسا کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے اور اس قسم کا کلام جدا ہے الہام سے اور القاء قلبی سے اور اس کلام سے جو فرشتہ کے ساتھ ہوتا ہے۔ اس کلام کے ساتھ انسان کامل ہی بعد طے امر و خلق و روح و نفس و عقل و خیال کے مطابق کیا جاتا ہے۔ اللہ اپنی رحمت کے ساتھ خاص کرتا ہے جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ تکلم بالمشافہ سے لازم نہیں آتا کہ متکلم دکھائی دے سامع کو، کیونکہ جائز ہے کہ سامع کمزور بینائی والا ہو جو متکلم کے انوار کی چمک کو برداشت نہ کر سکتا ہو، جیسا کہ جب آنحضرت علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والتسلیمات سے شب معراج میں رؤیت باری تعالیٰ کی نسبت سوال کیا گیا تو آپ نے جواب دیا کہ وہ نور ہے۔ میں اسے کیونکہ دیکھ سکتا ہوں اور نیز تکلم بالمشافہ میں حجب شہودی کا خرق ہے نہ کہ حجب وجودی کا، پس تو سمجھ لے کیونکہ یہ معرفت شریف وہ ہے کہ بہت کم کسی نے اس کے ساتھ لب کشائی کی ہو۔ والسلام علی من اتبع الھدیٰ''۔ (مکتوبات: دفتر دوم۔ مکتوب ۱۵) صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اسی کی طرف اشارہ ہے وہ جو مخدوم زادہ خواجہ محمد معصوم مدظلہ نے اپنی بیاض خاص میں لکھا ہے کہ حضرت شیخ کو آپ کے جد مکرم فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کی وراثت سے محدث بنایا گیا۔

(۹) حضرت شیخ بطور تبعیت زمرہ سابقین سے تھے۔ چنانچہ آپ سید عبدالباقی سارنگپوری کو یوں تحریر فرماتے ہیں:

''جان لے خدا تجھے نیک راستے چلائے کہ بائیں ہاتھ والے ظلمانی پردوں والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے نورانی پردوں والے۔ سابقین وہ ہیں جو ظلمانی پردوں اور نورانی پردوں سے نکل آتے ہیں اور ایک قدم بائیں ہاتھ پر اور دوسرا دائیں پر رکھ کر سبقت کی گیند اصل کے میدان میں لے گئے ہیں اور ظلال امکان اور ظلال وجوبی سے اوپر چلے گئے ہیں اور اسم و صفت سے اور شان و اعتبار سے ان کا مقصود سوائے ذات خدائے تعالیٰ و تقدس کے نہیں۔ بائیں ہاتھ والے کفر و بدبختی والے ہیں اور دائیں ہاتھ والے اہل اسلام و ولایت ہیں۔ سابقین بطریق اصالت انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات اور ان کی تبعیت سے جن کو یہ شرف بخشا جائے یہ دولت بطریق تبعیت زیادہ تر انبیاء کے اکابر اصحاب میں ہے علیہم الصلوات والتسلیمات والتحلیات اور بر سبیل قلت و ندرت غیر اصحاب میں موجود ہے۔ حقیقت میں یہ شخص (یعنی غیر اصحاب جو اس دولت سے مشرف ہے) بھی زمرۂ اصحاب سے ہے اور کمالات انبیاء سے ملحق ہے۔ شاید آنحضرت علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے ہی شخص کے حق میں فرمایا ہے ''لا یدری اولھا خیر ام اخرھا'' وہ جو آنحضرت علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا ہے کہ ''خیر القرون قرنی'' وہ باعتبار قرون کے فرمایا اور یہ باعتبار اشخاص کے۔ واللہ سبحانہ اعلم'' (مکتوبات، دفتر دوم۔ مکتوب ۳۹)

(۱۰) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے محض اپنے لطف سے خزینہ رحمت بنایا، جیسا کہ مکتوبات شریف کی جلد اول کے مکتوب ۳۱۱ سے ظاہر ہے۔

(۱۱) یہ درویش ایک روز (تجدید کے بارہویں سال) اپنے یاروں کے حلقہ میں بیٹھا ہوا تھا اور اپنی خرابیوں پر نظر تھی اور یہ نظر یہاں تک غالب تھی کہ اپنے تئیں اس طریق سے بالکل بے مناسبت پاتا تھا اس اثناء میں بحکم حدیث من تواضع لله رفعه الله اس دور افتادہ کو مذلت کی خاک سے اٹھایا گیا اور یہ ندا اس کے باطن میں کی گئی کہ میں نے بخش دیا تجھ کو اور ان کو جو بالواسطہ یا بلا واسطہ قیامت تک میری طرف تیرا واسطہ پکڑیں گے۔ بار بار یہ بشارت دی گئی۔ یہاں تک کہ گنجائش نہ رہی والحمد لله سبحانه علی ذالک حمدا کثیرا طیبا مبارکا فیه مبارکا علیه وکما یحب ربنا ویرضی والصلوۃ والسلام علی رسوله سیدنا محمد واله کما یحری بعد ازاں اس واقعہ کے اظہار کا حکم دیا گیا۔

اگر پادشہ بردر پیر زن
بیاید تو اے خواجہ سبلت مکن

ان ربک واسع المغفرۃ"۔ (رسالہ مبداء ومعاد)

(۱۲) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی کہ تم مجتہدین علم کلام سے ہو، چنانچہ آپ تحریر فرماتے ہیں:

"اس فقیر کو توسط احوال میں حضرت پیغمبر علیہ وعلیٰ الہ الصلوٰۃ والسلام نے واقعہ میں فرمایا ہے کہ تو علم کلام کے مجتہدوں سے ہے۔ اس وقت سے مسائل کلامیہ میں سے ہر مسئلہ میں اس فقیر کی خاص رائے اور مخصوص علم ہے۔ وہ مسائل جن میں ماتریدیہ واشاعرہ اختلاف رکھتے ہیں، ان میں سے اکثر میں سرسری نظر سے حقیقت اشاعرہ کی طرف سمجھ میں آتی ہے، مگر جب فراست کے نور سے تیز نظر سے دیکھا جاتا ہے تو ظاہر ہو جاتا ہے کہ حق ماتریدیہ کی طرف ہے۔ علم کلام کے تمام مسائل اختلافیہ میں اس فقیر کی رائے علماء ماتریدیہ کی رائے کے موافق ہے۔" (مبداء ومعاد)

(۱۳) حضرت شیخ پر حضور ﷺ کی محبت کا غلبہ اس قدر تھا کہ ایک روز درویشوں کی جماعت میں فرمایا:

محبت آنسرور بہ نہجے مستولی شدہ است کہ حق سبحانہ وتعالیٰ را بواسطہ آں دوست مے دارم کہ رب محمد ﷺ است۔

آنسرور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی محبت اس طرح غالب آگئی ہے کہ میں حق سبحانہ وتعالیٰ کو اس لئے دوست رکھتا ہوں کہ وہ محمد ﷺ کا رب ہے۔ (رسالہ مبدأ ومعاد)

(۱۴) اللہ تعالیٰ نے محض اپنے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا کو آخرت کر دیا تھا۔ حضرت خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ اس بشارت کی شرح میں یوں تحریر فرماتے ہیں:

"ہمارے حضرت امام ربانی مجدد الف ثانی رضی اللہ عنہ کو بشارت دی گئی تھی کہ میں نے تیری دنیا کو آخرت کر دیا۔ اس عبارت عالی کی شرح اور اس کا مکاشفہ غیبی کے حل میں چند سطریں لکھی جاتی ہیں۔ گوش ہوش سے سنیے۔ معلوم رہے کہ جو کچھ اس دنیا میں نظر آتا ہے ظلیت کی آمیزش کے بغیر نہیں کیونکہ دنیا ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کے ظہور کی تاب نہیں رکھتی اور اصل کے ظہور کا مقام آخرت ہے۔ جب حضرت کی دنیا آخرت کے حکم میں ہوگئی تو ناچار آخرت کا موعود اس دنیا میں جلوہ گر ہو گیا اور ظلیت کی آمیزش کے بغیر اصل کا نصیب حاصل ہو گیا اور یہ بھی مراد ہو سکتی ہے کہ اس فانی دنیا کے بعضے تمتعات (منافع) جو آخرت کے درجوں کی کمی کا باعث ہیں وہ حضرت کے حق میں ایسے نہ ہوں بلکہ درجات کی ترقی کا باعث ہوں جیسا کہ آخرت کی نعمت جس سے بہرہ ور ہونا ترقی کا باعث ہے۔ اس کا بیان یوں ہے کہ بہشت کے درخت اور نہریں اور اسی طرح وہاں کی حور و غلمان حضرت حق سبحانہ وتعالیٰ کے معانی تنزیہی وتحمیدی کے مظاہر ہیں۔ وہی معانی اس دنیا میں کلمات کی صورتوں اور حرفوں کے لباس میں ظاہر ہو گئے ہیں مثلاً سبحان اللہ اور الحمد للہ۔ جس طرح ان کلمات کا ورد اس دنیا میں ترقی کا باعث ہے۔ اسی طرح بہشت میں ان میوہ جات سے حظ اٹھانا اور ان لذتوں اور نعمتوں سے بہرہ ور ہونا درجات کے بلند ہونے اور مقامات کی ترقی کا باعث ہے۔ جب خدا تعالیٰ عم احسانہ کے کرم سے حضرت شیخ کی دنیا آخرت ہوگئی تو ناچار دنیا کی نعمت سے لذت اٹھانا آخرت کی لذتوں سے حظ اٹھانے کی مثل ٹھہرا۔ حضرت خواجہ نے اور احتمالات بھی بیان کئے ہیں۔

(دیکھو مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب: ۱۸۹)

(۱۵) حضرت شیخ کو اللہ تعالیٰ نے حضور سید الانبیاء ﷺ کی کمال متابعت کے سبب اس مقام سے مشرف فرمایا جو مقام رضا سے اوپر ہے اور جسے مقام ذات بحت سے تعبیر کرتے ہیں۔ اس کا ذکر مکتوبات کی جلد ثانی کے مکتوب ۷، ۳۳ میں ہے۔ حضرت شیخ نے مرض موت میں اس

مقام کی توضیح وتصریح فرمائی۔ چنانچہ خواجہ محمد معصوم رحمہ اللہ تعالیٰ یوں تحریر فرماتے ہیں:

''حاصل کلام حضرت شیخ نے فرمایا کہ وصال لایزال کے داعی نے میرے باطن میں آواز دی کہ تجھے بادشاہ بلاتا ہے۔ میری ہمت کا بلند پرواز مرغ آشیان قدس کی طرف متوجہ ہوا۔ یہاں تک کہ پہنچا جہاں پہنچا۔ اس بارگاہ عالی جاہ سے یہ آواز سنی کہ بادشاہ گھر میں نہیں۔ اس کے بعد معلوم ہوا کہ یہ حقیقت کعبہ ربانی کا مقام ہے۔ میں اس سے پرے کی طرف چلا اور چڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ صفات حقیقت کے مقام پر پہنچا۔ جو وجود زائد کے ساتھ موجود ہیں۔ یہ مقام صفات صور علمیہ صفات سے پرے ہے جو تعین علمی کے مرتبہ میں موجود ہیں اور صور صفات سے پرے ہے جو تعین وجودی اور تعین جبی کے مرتبہ میں ہیں، میں اس مقام سے بھی اوپر کی طرف متوجہ ہوا یہاں کہ میں ان صفات کے اصول سے جو شیون ذاتیہ اور ذات عزشانہ میں محض اعتبارات ہیں، داخل ہو گیا اور تم دونوں بھائی ہر مقام میں میرے ساتھ ہو۔ وہاں سے مجھے اوپر لے گئے اور ذات بحت تک جو نسبتوں اور اعتبارات سے خالی ہے، پہنچا دیا (چند سطر بعد) اور اسی مرض موت میں اسی مجلس میں یا دوسری مجلس میں فرمایا کہ اس درجہ کمال کا حصول اور اس رتبہ عالی پر وصول کلام مجید سبحانی کے تعلق پر موقوف ہے۔ قرآن کے طفیل وتوسط سے میں اس مرتبہ کے ساتھ ممتاز ہوا ہوں۔ حروف قرآنی میں سے ہر حرف کو میں ایک دریا پاتا ہوں جو کعبہ مقصود تک پہنچانے والا ہے۔''

(مکتوبات معصومیہ۔ جلد اول۔ مکتوب: ۱۸۳)

(۱۶) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ میں اوائل حال میں دیکھتا ہوں کہ ایک مکان میں طواف کر رہا ہوں اور ایک اور جماعت بھی اسی طواف میں میرے ساتھ شامل ہے لیکن اس جماعت کی رفتار اس قدر سست ہے کہ جتنی دیر میں میں طواف کا ایک دور پورا کر لیتا ہوں وہ دو تین قدم فاصلہ طے کرتے ہیں۔ اسی اثنا میں معلوم ہوتا ہے کہ یہ مکان عرش کے اوپر ہے اور طواف کرنے والی جماعت بزرگ فرشتے ہیں علیٰ نبینا وعلیہم الصلوات والتسلیمات۔ اللہ اپنی رحمت سے مختص کرتا ہے۔ جسے چاہتا ہے اور اللہ بڑے فضل والا ہے۔ (رسالہ مبدأ ومعاد)

(۱۷) حضرت شیخ نسبت خاصہ مجددیہ کی فوقیت کا اظہار کرتے ہوئے یوں تحریر فرماتے ہیں:

''میں خیال کرتا ہوں کہ حضرت مہدی موعود جن کے لئے اکملیت ولایت کا عہد کیا گیا ہے وہ بھی اسی نسبت پر ہوں گے اور اسی سلسلہ عالیہ کی تتمیم وتکمیل کریں گے۔ کیونکہ ساری ولایتوں کی نسبت اس نسبت علیہ سے کم ہے۔ وجہ یہ کہ باقی ولایتوں کو مرتبہ نبوت کے کمالات کا کم حصہ ملا ہے اور یہ ولایت حضرت صدیق اکبر کی طرف منسوب ہونے کے سبب سے ان کمالات سے حظ وافر رکھتی ہے جیسا کہ ابھی گزرا۔ بہ بیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا۔'' (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب: ۲۵۱)

رسالہ مبدأ ومعاد میں لکھتے ہیں:

''وایں نسبت بایں خصوصیت فرد اور حضرت مہدی ظہور خواہد یافت انشاء اللہ تعالیٰ''۔

(۱۸) حضرت شیخ کو بشارت دی گئی کہ جس جنازے پر آپ حاضر ہوں گے وہ میت بخشی جائے گی۔

(۱۹) حضرت شیخ کی دعا سے سرہند شریف کے قبرستان سے عذاب اٹھا لیا گیا۔ چنانچہ روضہ قیومیہ میں لکھا ہے۔ کہ تجدید کے تیرھویں سال ایک روز حضرت قیوم اول ﷺ اپنے چھٹے دادا سرہند کے بانی امام رفیع الدین قدس سرہ کی زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ فاتحہ کے بعد امام صاحب کے مزار پر قبرستان کی مغفرت کے لئے جناب الٰہی میں عاجزی والتجا کی۔ الہام ہوا کہ ہم نے ایک ہفتہ کے لئے اس قبرستان پر سے عذاب اٹھا لیا۔ پھر التماس کی کہ اے پروردگار تیری رحمت کی کوئی انتہا نہیں۔ مغفرت اور زیادہ کر، پھر الہام ہوا کہ ایک مہینے کے لئے اس قبرستان سے عذاب اٹھا لیا حضرت نے پھر التجا کی تو الہام ہوا کہ اچھا ایک سال کے لئے اس قبرستان پر سے ہم نے عذاب اٹھا لیا، پھر التماس کی تو جناب باری سے بفضل وکرم حکم ہوا کہ ہم نے اپنے فضل سے تمہاری خاطر اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھا لیا۔

اسی سال ایک روز حضرت قیوم اول ﷺ اپنے والد بزرگوار مخدوم عبدالاحد قدس سرہ کے مزار پر زیارت کے لئے تشریف لے گئے۔ اس وقت آپ کے دل میں اس حدیث شریف کے مضمون کا خیال آیا کہ جب کسی عالم کا گزر قبر پر سے ہوتا ہے تو چالیس روز تک صاحب قبر کو عذاب نہیں ہوتا۔ یہ خیال آتے ہی الہام ہوا کہ آپ کی تشریف آوری کے سبب ہم نے اس قبرستان سے قیامت تک عذاب اٹھا لیا۔ آئندہ بھی جو شخص اس قبرستان میں دفن کیا جائے گا ہم اپنے فضل وکرم سے بخش دیں گے۔

شہر سرہند کا تمام قبرستان اسی مقام پر ہے جس کی بابت آنحضرت کو خوشخبری ملی تھی۔ اس قبرستان کے مرکز میں حضرت کے والد بزرگوار کا مزار مبارک ہے۔ انتہیٰ

(۲۰) حضرت شیخ کا ارشاد ہے کہ زن ومرد جو بالواسطہ یا بلاواسطہ ہمارے طریقہ میں داخل ہوئے ہیں یا قیامت تک ہوں گے وہ سب

WWW.NAFSEISLAM.COM

ہمیں دکھائے گئے ہیں اور ہر یک کا نام ونسب اور مولد ومسکن ہمیں بتایا گیا ہے۔ اگر ہم چاہیں تو ایک ایک کو بیان کردیں۔

(۲۱) حضرت شیخ کو مبادل سلوک میں علوم لدنی حضرت خضر علیہ السلام کی روحانیت سے حاصل ہے جیسا کے رسالہ مبداء ومعاد میں ہے۔

(۲۲) حضرت شیخ پر ظاہر کیا گیا کہ ہندوستان میں بھی پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں:

''پہلی امتوں میں جو فقیر ملاحظہ کرتا ہے تو ایسی جگہ کم پاتا ہے جہاں کوئی پیغمبر مبعوث نہ ہوا ہو، یہاں تک کہ ہند کی زمین میں بھی جو اس معاملہ سے دور معلوم ہوتی ہے، معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہند میں سے پیغمبر مبعوث ہوئے ہیں۔ جنہوں نے خدا جل شانہ کی دعوت دی ہے اور ہند کے بعضے شہروں میں محسوس ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم الصلوات والتسلیمات کے انوار شرک کی تاریکیوں میں مشعلوں کی مثل روشن ہیں۔ فقیر اگر چاہے تو ہند کے ان شہروں کا پتہ بتا سکتا ہے اور دیکھتا ہے کہ ان پیغمبروں میں کوئی ایسا ہے کہ اس پر کوئی ایمان نہیں لایا اور اس کی دعوت کو کسی نے قبول نہیں کیا اور کوئی ایسا ہے کہ اس پر ایک شخص ایمان لایا ہے اور کسی پر دو اور کسی پر تین شخص ایمان لائے ہیں۔ یہ نظر نہیں آیا کہ ہند میں تین آدمیوں سے زیادہ کسی پیغمبر پر ایمان لائے ہوں تا کہ چار آدمی ایک پیغمبر کی اُمت ہوں''۔ (مکتوبات دفتر اول۔ مکتوب:۲۵۹)

(۲۳) ایک روز صبح کے حلقہ میں حضرت الیاس وخضر علی نبینا وعلیہما الصلوات والتسلیمات حضرت شیخ کی خدمت میں بصورت روحانیاں حاضر ہوئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے تبلقی روحانی فرمایا کہ ہم عالم ارواح سے ہیں۔ خدا تعالیٰ نے ہماری روحوں کو یہ قدرت کاملہ عطا فرمائی ہے کہ اجسام کی صورت میں متمثل ہو کر وہ کام کرتی ہیں جو جسموں سے وقوع میں آیا کرتے ہیں۔ مثلاً حرکات وسکنات، جسمانی اور طاعات وعبادات بدنی۔ اس وقت دل میں آیا کہ ان دو بزرگواروں سے کچھ مانگوں۔ انہوں نے فرمایا کہ عنایت ایزدی جس شخص کے شامل حال ہو ہمیں اس میں کیا دخل ہے۔ حضرت الیاس علیٰ نبینا وعلیہ الصلوٰۃ والسلام اس گفتگو میں خاموش رہے۔ (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب:۲۸۳)

(۲۴) خدا تعالیٰ کے محض کرم سے حضرت شیخ کے سینہ بے کینہ سے خناس ووسواس دور کیا گیا۔

(۲۵) حضرت شیخ نے خواب میں دیکھا کہ حضرت رسالت پناہ ﷺ نے آپ کے لئے ایک اجازت نامہ لکھا ہے، جیسا کہ مشائخ اپنے خلیفوں کو لکھ دیا کرتے ہیں۔ اسی اثناء میں ظاہر ہوا کہ اس اجازت نامہ کے اجراء میں کچھ تاخیر ہے۔ خادم اس اجازت نامہ کو گویا دوسری بار حضور اقدس ﷺ کی خدمت میں لے گیا ہے اور حضور انور ﷺ نے اس اجازت نامہ کی پشت پر ایک اور اجازت نامہ لکھا ہے یا لکھوایا ہے اور اسے اپنی مہر سے مزین فرمایا ہے۔ اس دوسرے اجازت نامہ کا مضمون یہ ہے کہ دنیا کے اجازت نامہ کے عوض میں نے آخرت کا اجازت نامہ دیا ہے اور مقام شفاعت سے نصیب عطا فرمایا ہے۔ (تفصیل کے لئے دیکھو مکتوبات۔ دفتر ثالث۔ مکتوب:۱۰۶)

(۲۶) اللہ تعالیٰ نے حضرت شیخ کو طریقہ جدیدہ عطا فرمایا۔ آپ سے پہلے سالکین کی سیر صرف ولایت صغریٰ یعنی قلب میں منحصر تھی اور شاذ ونادر کسی کو ولایت کبریٰ میں ہوا کرتی تھی، مگر خدا تعالیٰ نے اپنے فضل وکرم سے حضرت شیخ پر ولایت کبریٰ، ولایت ملأ اعلیٰ، کمالات نبوت ورسالت واولوالعزم، حقیقت ابراہیمی، حقیقت موسوی، حقیقت محمدی واحمدی، حب صرفہ ولاتعین اور نیز حقیقت کعبہ، حقیقت قرآن، حقیقت صلوٰۃ ومعبودیت مطلقہ سب منکشف فرمائے اور آپ نے ان کمالات کی سیر بالتفصیل اپنے صاحبزادوں خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم کو کرائی اور بفضلہٖ تعالیٰ آپ کے خاندان میں آج تک جاری ہے اور انشاء اللہ تعالیٰ قیامت تک جاری رہے گی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۲۷) ایک روز حضرت شیخ حلقہ ذکر سے اٹھے اور فرمایا کہ اس حلقہ میں مجھے معلوم ہوا ہے کہ حاضرین میں سے ایک یار مرتد ہو جائے گا، میں نے اس کی پیشانی پر لفظ شقی لکھا ہوا دیکھا ہے۔ یہ سن کر تمام یاروں پر ہیبت طاری ہوگئی اور ہر ایک خوف کے مارے کانپنے لگا۔ وہ یار شیخ طاہر لاہوری تھا۔ جو صاحبزادگان خواجہ محمد سعید وخواجہ محمد معصوم کا استاد تھا۔ چند روز کے بعد ویسا ہی وقوع میں آیا۔ شیخ طاہر ایک کافرہ عورت پر عاشق ہو کر مرتد ہو گیا۔ صاحبزادوں نے اپنے والد بزرگوار کی خدمت میں عرض کی کہ شیخ طاہر کے لئے دعا کیجئے تا کہ وہ پھر مسلمان ہو جائے۔ آپ نے بڑے عجز ونیاز سے دعا کی اور وہ قبول ہوگئی۔ شیخ طاہر عشق مجازی کو چھوڑ کر آپ کی خدمت میں آیا اور مشرف باسلام ہو کہ آپ کی صحبت میں تھوڑے ہی عرصہ میں مراقب عالیہ پر پہنچا آپ نے شیخ طاہر کے اجازت نامہ میں اس قصے کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور مکتوب ۲۱۷ جلد اول میں بھی اسے ذکر کیا ہے جس کا ماحصل یہ ہے کہ جب میں اس بلا کے دفیعہ کے لئے متوجہ ہوا تو میں نے لوح محفوظ میں اس کے دفیعہ کو کسی امر پر معلق نہ دیکھا اور اسے مبرم سمجھا۔ مجھے حیرت ہوئی کیونکہ آثار واخبار واجماع امت سے مجھے معلوم تھا کہ قضائے مبرم میں تغیر نہیں ہو سکتا۔ اسی اثنا میں مجھے حضرت غوث اعظم شیخ عبد القادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ کا قول یاد آ گیا کہ میرے سوا کسی کو قضائے مبرم میں تصرف حاصل نہیں۔ میں نے عرض کی کہ الٰہی! جب تیرے اولیاء میں سے ایک کو یہ دولت حاصل ہے میں بھی امیدوار ہوں۔ میں نے بہت عجز ونیاز ظاہر کیا۔ میری دعا قبول ہوگئی اور اس راز کی معرفت بھی مجھے عطا کی گئی اور بتا دیا گیا کہ قضائے معلق دو قسم کی ہے۔ ایک معلق تو وہ ہے جس کی

تعلیق لوح محفوظ میں لکھی ہوئی ہے اور ایک معلق ایسی ہے کہ اس کی تعلیق علم خدا میں ہے۔ شیخ طاہر کا قضیہ اور حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی کا قول دوسری قسم میں داخل ہے۔ جس میں پہلی قسم کی مانند تبدیلی کا احتمال ہے چونکہ یہ قسم ثانی لوح محفوظ میں صورت قضا سے مبرم رکھتی ہے، اس لئے حضرت غوث اعظم نے اسے مبرم سے تعبیر فرمایا ہے۔

(۲۸) جان محمد جالندھری کا بیان ہے، کہ ایک بزرگ درویش نے جسے میں حسب ارشاد حضرت شیخ باغ حافظ رخنہ سے لایا تھا، حضرت سے میرے حالات دریافت کرنے کے بعد پوچھا کہ آپ نے اس کو کس سلسلہ میں مرید کیا ہے۔ حضرت نے فرمایا سلسلہ قادریہ میں۔ اس نے کہا کہ میں سفارش کرتا ہوں۔ کہ جان محمد کو حضرت غوث الثقلین سید محی الدین عبدالقادر جیلانی ﷺ کی زیارت کرادیں۔ اس پر حضرت نے میرا ہاتھ پکڑ کر قطب ستارہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ کہ اسے خوب دیکھو میں نے دیکھا کہ ایک سیاہ گدڑی والے بزرگ اس میں سے نکلے اور شیر کی طرح ایک لحمہ میں اس مقام پر آگئے۔ حضرت نے فرمایا کہ حضرت غوث الثقلین یہی ہیں، ان کی قدم بوسی کرو، چنانچہ میں نے قدم بوسی کی بعد ازاں حضرت غوث الثقلین رخصت ہوئے اور ستارہ قطب کی طرف متوجہ ہوئے اور اس میں غائب ہوگئے۔

(۲۹) جب حضرت شیخ کے مکتوبات کی جلد اول تیار ہوگئی اور جلد ثانی کے شروع کرنے کی اجازت طلب کی گئی تو آپ نے جواب میں فرمایا کہ میں اس فکر وحیرت میں ہوں کہ تمام علوم جو تحریر میں آچکے ہیں خدا تعالیٰ کے نزدیک مقبول وپسندیدہ بھی ہیں یا نہیں۔ دوسرے روز فرمایا:

''کل رات آواز آئی اور ظاہر کیا گیا کہ یہ تمام علوم جو تو نے لکھے ہیں بلکہ جو کچھ تیری گفتگو میں آگیا ہے۔ سب مقبول وپسندیدہ ہے اور میری تحریرات کی طرف اشارہ کر کے بتایا گیا کہ سب ہمارا قول اور ہمارا بیان ہے۔ اس وقت ان تمام علوم کو میری نظر میں لایا گیا۔ میں ایک ایک کو بطریق اجمال وتفصیل دیکھ رہا تھا۔ خصوصاً ان علوم کو جن میں ایک وقت مجھے کچھ تو دور تھا۔ سب کو میں نے اسی حکم میں داخل پایا۔ **الحمد لله علی الا حسان** ''۔ (دیباچہ دفتر سوم مکتوبات)۔

اس کے بعد آپ نے جلد ثانی کے مکتوبات کو لکھنا شروع کیا۔

مکتوبات شریف کی جلد اول مکتوب ۲۳۴ کے خاتمہ پر فرماتے ہیں:

''اے فرزند! یہ معارف جو لکھے گئے ہیں امید ہے کہ الہامات رحمانی سے ہوں گے کہ جن میں وساوس شیطانی کی آمیزش کی بالکل مجال نہیں۔ اس امر کی دلیل فقیر کے پاس یہ ہے کہ جب میں ان علوم کے لکھنے کے درپے ہوا اور اللہ جل شانہ کی بارگاہ قدس میں ملتجی ہوا تو میں نے دیکھا کہ گویا ملائکہ کرام اس مقام کے اطراف سے شیطان کو دور کر رہے ہیں اور اسے اس مکان کے گرد رہنے نہیں دیتے۔ **والله سبحانه اعلم بحقیقة الحال**۔ چونکہ بڑی نعمتوں کا ظاہر کرنا اعظم محامد سے ہے اس لئے ان بڑی نعمتوں کے اظہار کی جرأت کی گئی۔ امید ہے کہ خود بینی کے مظنہ سے خالی ہوگی۔ خود بینی کی گنجائش کس طرح ہو سکتی ہے جبکہ اللہ سبحانہ کی عنایت سے اپنا نقص وشرارت ذاتی ہر وقت نصب العین ہے اور کمالات سب کے سب اللہ تعالیٰ سے منسوب ہیں''

(۳۰) ایک روز حضرت شیخ نے فرمایا کہ ہم پر ایسا ظاہر کیا گیا ہے کہ ہماری تمام تحریرات حضرت مہدی آخر الزمان علیہ الرحمۃ کی نظر سے گزریں گی اور آپ کے نزدیک مقبول ہوں گی۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۳۱) حضرت شیخ نے فرمایا کہ میں نے دیکھا حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ تشریف لائے ہیں اور فرماتے ہیں کہ میں تجھ کو علم افلاک سکھانے آیا ہوں۔

(۳۲) حضرت شیخ نے ایام وصال کے قریب فرمایا کہ سوائے نبوت کے جو کمالات نوع انسان میں ممکن ہیں۔ وہ اللہ تعالیٰ نے مجھ کو جناب سید البشر علیہ الصلوٰۃ السلام کی تبعیت اور وراثت سے عطا فرمائے ہیں۔

(۳۳) رضویہ قیومیہ میں سال اول تجدید الف ثانی کے تحت میں لکھا ہے کہ حضرت قیوم اول ﷺ کو ہمیشہ کعبہ کی زیارت کا شوق رہا۔ لیکن بعض موانع کی وجہ سے زیارت کعبہ میسر نہ ہو سکی۔ اس سال وہ شوق بہت زیادہ ہوگیا، چنانچہ آپ جناب اسی شوق سے بے قرار رہنے لگے۔ ایک روز اسی بے قراری کی حالت میں بیٹھے تھے کہ کیا دیکھتے ہیں کہ انسان، فرشتے، جن وغیرہ تمام مخلوقات نماز ادا کر رہی ہیں اور آپ جناب کی طرف رخ کر کے سجدہ کر رہی ہیں۔ جب آپ جناب نے توجہ کی تو معلوم ہوا کہ کعبہ معظمہ خود آپ جناب کی ملاقات کے لئے آیا ہے اور آپ کو گھیر لیا ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جو شخص کعبہ کی طرف سجدہ کرتا ہے وہ آپ کو ہی کرتا ہوا معلوم ہوتا ہے۔ اسی اثناء میں الہام ہوا کہ تم ہمیشہ کعبہ کے مشتاق تھے۔ ہم نے کعبہ کو تمہاری زیارت کے لئے بھیجا ہے، تمہاری خانقاہ کی زمین بھی کعبہ کا حکم رکھتی ہے۔ جو نور کعبہ میں تھا وہی نور ہم نے تمہاری خانقاہ کی زمین میں رکھ دیا ہے۔ بعد ازاں کعبہ نے آنحضرت کی خانقاہ میں حلول کیا اور خانقاہ کی زمین کعبہ کی زمین سے مل گئی اور

اس مسجد کو بیت اللہ کی زمین سے پوری پوری فناء بقاء حاصل ہوئی اور آپ جناب کی خانقاہ کی زمین میں تمام حقائق کعبہ متحقق ہوگئے۔فرشتہ غیب نے آواز دی کہ حضرت مجدد الف ثانی ﷺ کی یہ مسجد تمام مسجدوں سے افضل ہے۔جو ثواب ان تمام مسجدوں میں نماز ادا کرنے سے ہوتا ہے۔ وہ اس ایک ہی مسجد میں نماز ادا کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے۔

حضرت قیوم ثانی معصوم زمانی ﷺ کے وقت میں اس مسجد کو وسیع کیا گیا اور اس متبرک زمین کو جہاں پر کعبہ نے حلول کیا تھا تبرک کے طور پر حوض مسجد کے مشرقی کنارے کی طرف باقی زمین سے اونچا رکھا گیا۔آج کل وہ صفہ خاص و عام کی زیارت گاہ ہے۔انتہے۔

(۳۴) حضرت شیخ فرماتے ہیں کہ مقام اقطاب پر پہنچنے کے بعد جناب سرور کائنات علیہ الصلوۃ والتسلیمات نے مجھے قطب ارشاد کی خلعت سے سرفراز فرمایا بعد ازاں بعنایت خداوندی جل شانہ ترقی کرتے کرتے اصل الاصل تک پہنچا۔اس اخیر عروج میں حضرت غوث اعظم محی الدین شیخ عبدالقادر جیلانی قدس سرہ الاشرف کی روحانیت سے مدد پہنچی (رسالہ مبداء ومعاد)

غرض کہاں تک لکھا جائے:

نہ حسنش غایتے دارد سعدی را سخن پایاں
بمیرد تشنہ مستسقی ودریا ہمچناں باقی

خوارق وکرامات:

حضرت شیخ کے خوارق بکثرت ہیں۔ہم یہاں ان میں سے صرف بعض کا ذکر کرتے ہیں۔

(۱) حضرت شیخ کی سب سے بڑی کرامت آپ کے مکتوبات ودیگر تصانیف ہیں۔جن میں وہ نادر علوم ومعارف الہامیہ درج ہیں جو سنت وشریعت کے عین موافق ہیں۔چنانچہ آپ اپنے بڑے صاحبزادے خواجہ محمد صادق کو لکھتے ہیں:

''اے فرزند! یہ علوم ومعارف کہ جن میں اہل اللہ میں سے کسی نے نہ صراحۃً نہ اشارۃً لب کشائی کی ہے، اشرف معارف اور اکمل علوم میں سے ہیں۔جو ہزار سال کے بعد منصۂ ظہور پر آئے ہیں اور واجب تعالیٰ وتقدس کی حقیقت اور ممکنات کے حقائق کو جیسا کہ ممکن ولائق ہے بیان کرتے ہیں۔نہ کتاب وسنت کے مخالف ہیں اور نہ اہل حق کے اقوال سے مخالفت رکھتے ہیں۔حضرت نبی کریم ﷺ کی دعا الھم ارنا حقائق الا شیاء کما ھی (یا اللہ حقائق اشیاء ہم کو دکھا جیسا کہ وہ ہیں) سے جو آپ نے گویا امت کی تعلیم کے لئے فرمائی ہے، شاید یہی حقائق مراد ہیں۔جو ان علوم کے ضمن میں بیان ہوئے ہیں اور مقام عبودیت کے مناسب ہیں اور نقص وذلت وانکسار پر دلالت کرتے ہیں جو حال بندگی کے موافق ہے۔عاجز بندہ جو اپنے تئیں اپنے مولائے قادر کا عین سمجھے۔اس میں کون سی لطافت ہے بلکہ اس سے تو اس کی کمال بے ادبی ظاہر ہوتی ہے۔'' (مکتوبات۔دفتر اول۔مکتوب:۲۳۴)

اسی طرح آپ شیخ محمد چتری کو لکھتے ہیں:

بھائی جان سنئے! خوارق کی دو قسمیں ہیں۔قسم اول علوم ومعارف الہیہ ہیں، جو ذات وصفات وافعال واجب تعالیٰ سے متعلق ہیں اور نظر عقلی کے طریقہ سے الگ اور عرف وعادت جاریہ کے خلاف ہیں۔اس قسم سے اللہ تعالیٰ نے اپنے خاص بندوں کو ممتاز کیا ہے۔قسم دوم کشف صور مخلوقات اور اشیائے غائبہ کی خبر دینا ہے۔جو عالم کون سے متعلق ہے۔پہلی قسم اہل حق وارباب معرفت کے لئے مخصوص ہے اور دوسری قسم اصحاب حق واصحاب باطل میں مشترک ہے، کیونکہ یہ قسم اہل استدراج کو بھی حاصل ہے۔پہلی قسم خدا کے نزدیک شریف ومعتبر ہے۔کیونکہ اس نے اسے اپنے اولیاء کے لئے مخصوص کیا ہے اور اپنے دشمنوں کو اس میں شریک نہیں فرمایا اور دوسری قسم عوام کے نزدیک معتبر اور ان کی نظروں میں معزز ومحترم ہے۔اگر اہل استدراج سے یہ قسم ظہور میں آئے تو قریب ہے عوام نادانی کے سبب سے اس کی پوجا کرنے لگ جائیں اور ہر رطب ویابس میں جو وہ ان کو بتائے اس کے تابع وفرماں بردار ہو جائیں، بلکہ یہ محجوب (عوام پہلی قسم کو خوارق وکرامات میں شمار نہیں کرتے۔ان کے نزدیک خوارق دوسری قسم میں منحصر ہیں اور ان کے گمان میں کرامات صرف صور مخلوقات کے کشف اور مغشیات کی خبر دینے کا نام ہے یہ لوگ کیسے بے عقل ہیں۔وہ علم جو مخلوقات حاضر یا غائب کے حالات سے تعلق رکھتا ہے۔اس میں کون سی شرافت وکرامت پائی جاتی ہے، بلکہ یہ علم تو اس لائق ہے کہ جہل سے مبدل ہو جائے، تاکہ مخلوقات اور اس کے احوال سے نسیان حاصل ہو۔واجب تعالیٰ کی معرفت ہی وہ شے ہے جو سزاوار شرافت وکرامت اور شایان اعزاز واکرام ہے۔

پری نہفتہ رخ ودیو در شمہ و ناز
بسوخت عقل زحیرت کہ ایں چہ بو العجبی است

(۲) ایک صاحب دل سید رحمت اللہ نام جو حضرت شیخ کے مریدوں میں سے تھا، بیان کرتا ہے کہ میں اور دو تین درویش اطراف ملک دکن میں ایک صحرا میں جا رہے تھے کہ ایک بت خانہ نظر آیا۔ میں نے حضرت سے سنا ہوا تھا کہ مسلمان سے بتوں اور بت پرستوں کی توہین جس قدر ہو سکے اس میں کوتاہی نہیں کرنی چاہئے، کیونکہ اس سے غازی فی سبیل اللہ کا ثواب ملتا ہے۔ میں نے حضرت کی نصیحت پر کار بند ہو کر اپنے ساتھیوں سے کہا کہ اس صحرا میں کوئی اس بت خانہ کا نگہبان نظر نہیں آتا۔ آؤ اس بت خانہ کو جہاں تک ہو سکے ویران کر دیں، چنانچہ ہم نے ایک بت توڑ دیا اور بعض دیواروں کے گرانے کے لئے کمر بستہ ہوئے۔ اس اثنا میں ہندو کاشتکاروں میں سے ایک شخص نے دور سے اس صحرا میں بت خانہ کا یہ حال دیکھ لیا۔ وہ دوڑ کر گاؤں والوں کے پاس گیا۔ جو اس بت خانہ میں بتوں کی پوجا کیا کرتے تھے اور ان سے یہ ماجرا کہہ سنایا۔ ہم ناگاہ کیا دیکھتے ہیں کہ قریباً ایک ہزار بت پرست لاٹھیاں پتھر اور ہتھیار لئے بڑے غیظ و غضب کی حالت میں ہماری طرف آ رہے ہیں مجھ پر اور میرے ساتھیوں پر حیرت و دہشت نے غلبہ کیا۔ بھاگ جانا بھی دشوار تھا، ہم نے شہید ہونے کی ٹھان لی۔ اس حال میں میں حضرت شیخ کی طرف متوجہ ہوا اور عرض کی:

''اے دین کے بزرگ! ہم نے آپ کی نصیحت پر کار بند ہو کر یہ کام کیا تھا۔ ہمیں کافروں کے ہاتھ سے چھڑائیے''۔ اس تضرع و نیاز میں میرے کان میں حضرت شیخ کی یہ آواز آئی:

''اطمینان رکھو! تمہاری حفاظت کے لئے ابھی اسلام کا لشکر بھیج رہا ہوں۔'' میں نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ عجیب معاملہ ہے۔ حضرت کی یہ آواز میرے کان میں آگئی، مگر لشکر کب آئے گا۔ کفار تو آ پہنچے۔ ایک تیر کا فاصلہ رہ گیا تھا کہ اچانک ٹیلہ پر سے تیں چالیس سوار ہماری طرف گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتے ہوئے نظر آئے۔ جب کافروں نے سواروں کو دیکھا تو پیچھے ہٹ گئے۔ سواروں نے ان میں سے بعضوں کو تازیانے لگائے اور بعضوں کو ڈانٹ پلائی اور ہم کو اپنی حمایت میں ہمراہ لے لیا۔ معلوم ہوا کہ وہ سوار مسلمان تھے۔ جو اس نواح کے ایک گاؤں میں کسی تقریب پر آئے ہوئے تھے۔ جب وہ کفار قتل کے ارادے سے آئے تھے تو ان کے گاؤں کے ایک مسلمان نے اس گاؤں میں جہاں سوار تھے، خبر کر دی تھی، لہٰذا وہ فوراً موقع پر پہنچ گئے اور ہم کو چھڑا لیا۔ اس میں شک نہیں کہ یہ حضرت شیخ کا ہی تصرف تھا۔

(۳) سید جمال جو حضرت شیخ کے مقبولین سے تھا، بیان کرتا ہے کہ ایک جنگل میں اچانک ایک شیر میرے آگے آیا۔ تنہائی کی وحشت اور اس درندے کی ہیبت سے میں سخت ہراساں ہوا۔ بھاگ جانا بھی ممکن نہ تھا۔ ناچار میں نے حضرت شیخ کی طرف توجہ کی کہ بچائیے۔ میں نے اسی وقت معاملہ میں دیکھا کہ حضرت عصا ہاتھ میں لئے دوڑے آرہے ہیں۔ آپ نے آتے ہی نہایت زور سے عصا اس شیر کے منہ پر مارا۔ جب اس معاملہ سے میری آنکھ کھلی تو میں نے نہ حضرت کو دیکھا اور نہ جنگل میں شیر کا کوئی نشان پایا۔

(۴) محمد صادق کابلی جو حضرت شیخ کے بڑے مخلصوں میں سے تھا۔ مرض جذام میں مبتلا ہو گیا۔ اٹھنے بیٹھنے اور کھانے پینے میں یار اس کی مشارکت سے پرہیز کرنے لگے۔ یہاں تک کہ ایک مجلس میں اس کے ایک خاص یار نے اس کے ساتھ کھانا کھانے سے اعلانیہ انکار کیا۔ وہ بیچارہ نہایت شرمندہ و غمگین ہوا اور حضرت سے توجہ کی درخواست کی۔ آپ مرض کے دفعیہ کی طرف متوجہ ہوئے اور آپ نے مرض کو اپنے اوپر لے لیا۔ چنانچہ اس کا اثر مریض کے بدن سے آپ کے پاؤں مبارک پر منتقل ہو گیا۔ اس سے اگرچہ مخلصوں کی عقیدت میں زیادتی ہوگئی، مگر حضرت پر مرض کے منتقل ہونے سے سب غمگین و بے چین ہو گئے۔ جب حضرت نے صاحبزادوں اور یاروں کی بے چینی دیکھی تو دعا کی کہ یہ مرض آپ سے بھی دور ہو جائے، چنانچہ اللہ تعالیٰ کی عنایت سے وہ بیماری آپ سے بھی جاتی رہی اور سب خدا کا شکر بجالائے۔

(۵) حضرت شیخ کے عادل اصحاب سے سنا گیا ہے کہ ایک دفعہ حضرت بیابان و جنگل کی سیر کو نکلے۔ اثنائے راہ میں دھوپ کی شدت اور گرد و غبار کی کثرت سے بڑے صاحبزادے اور دوسروں پر جو پیادہ ہمرکاب تھے پیاس نے غلبہ کیا مگر بپاس ادب حضرت کی خدمت میں عرض کرنے کی جرأت نہ کر سکے۔ اس اثنا میں خود حضرت نے مولانا محمد یوسف سمرقندی سے جو آپ کے مرید اور پیر بھائی بھی تھے، ارشاد فرمایا کہ دھوپ کی شدت اور غبار کی کثرت سے یاروں کو تکلیف ہو رہی ہے۔ مولانا نے کہا کہ حضرت کو معلوم ہے یاروں کے عرض کرنے کی حاجت نہیں، اس پر حضرت نے مسکرا کر آسمان کی طرف آنکھ اٹھائی اور زیر لب کچھ کہا۔ چند قدم بھی آگے نہ بڑھے تھے کہ بادل کا ایک ٹکڑا ظاہر ہوا۔ جس نے حضرت اور آپ کے یاروں پر سایہ ڈالا اور ترشح ہوا مگر اسی قدر کہ غبار دب گیا اور کیچڑ نہ ہوا اور معتدل ہوا چلنے لگی حالانکہ وہ بارش کا موسم نہ تھا۔

(۶) ایک سید طالب علم کا بیان ہے کہ جو لوگ حضرت علی کرم اللہ تعالیٰ وجہہ سے لڑے، مجھے ان سے بالخصوص حضرت معاویہ ﷺ سے نفرت

اور بدظنی تھی۔ ایک روز میں مکتوبات احمدیہ کا مطالعہ کر رہا تھا کہ ان میں یہ لکھا دیکھا کہ امام مالک حضرات شیخین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے شتم کرنے والے پر جو حد لگاتے تھے۔ وہی حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ پر شتم کرنے والے پر جاری کرتے تھے۔ میں نے یہ نقل دیکھ کر غصہ کی حالت میں کہا کہ یہ کیسی بے مزہ نقل ہے جو اس مرد (حضرت شیخ) نے یہاں ذکر کی ہے۔ یہ کہہ کر میں نے مکتوبات کو زمین پر پھینک دیا اور سو گیا۔ خواب میں دیکھا کہ حضرت شیخ غصہ کی حالت میں آئے اور اپنے ہاتھوں سے میرے دونوں کان پکڑ کر فرمانے لگے۔ اے طفل نادان! تو بھی ہماری تحریر پر اعتراض کرتا ہے اور اسے زمین پر پھینکتا ہے۔ اگر تو میرے قول کو معتبر نہیں سمجھتا تو آ تجھے حضرت علی مرتضیٰ ہی کے پاس لے چلوں۔ جن کی خاطر تو ان کے بھائیوں یعنی صحابہ کرام کو برا کہتا ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ کشاں کشاں ایک باغ میں لے گئے اور مجھے اس باغ کے کنارے ٹھہرا کر خود ایک محل کی طرف جو اس باغ میں نظر آ رہا تھا، چلے گئے۔ میں نے دیکھا کہ وہاں ایک نہایت نورانی شکل بزرگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ حضرت شیخ نے بڑی تواضع سے ان کو سلام کہا، وہ بھی بڑی خوشی سے آپ کو ملے۔ اس کے بعد حضرت شیخ اس بزرگ کے آگے دوزانو بیٹھ گئے اور کچھ عرض کیا۔ شیخ و بزرگ دونوں دور سے میری طرف دیکھتے اور اشارہ کرتے تھے۔ مجھے یقین ہو گیا کہ وہ میری نسبت کچھ کہہ رہے ہیں۔ کچھ دیر کے بعد حضرت شیخ نے اٹھ کر مجھے نزدیک بلایا اور فرمایا کہ یہ بزرگ جو بیٹھے ہوئے ہیں حضرت امیر کرم اللہ تعالیٰ وجہہ ہیں۔ سنو کیا فرماتے ہیں۔ میں نے سلام کیا۔ حضرت امیر نے زبان گوہر فشاں سے فرمایا کہ خبردار! حضرت پیغمبر ﷺ کے اصحاب سے کوئی کدورت دل میں نہ رکھو اور ان کی ملامت زبان پر نہ لاؤ۔ ہم جانتے ہیں اور ہمارے بھائی کہ کن نیک نیتوں سے ہمارے اور ان کے درمیان جھگڑا ہوا تھا اور حضرت شیخ کا نام لے کر فرمایا کہ ان کی تحریر سے ہرگز سر نہ پھیرنا۔ باوجود اس نصیحت کے میں نے اپنے دل کی طرف رجوع کیا تو اصحاب کرام کی دشمنی و نفرت بدستور پائی۔ حضرت امیر یہ معلوم کر کے ناراض ہوئے اور حضرت شیخ سے فرمایا کہ اس کا دل ابھی صاف نہیں ہوا اور تھپڑ مارنے کے لئے اشارہ کیا، چنانچہ حضرت شیخ نے اپنی ساری قوت سے ایک تھپڑ میری گدی پر مارا۔ اس وقت میں نے اپنے دل کو کدورت سے صاف پایا۔ اس اثناء میں میری آنکھ کھل گئی۔ اب میں اسی طرح سینہ کو کینہ سے پاک پاتا ہوں اور حضرت شیخ کے کلام کی نسبت میرا حسن اعتقاد سو گنا زیادہ ہو گیا ہے۔

(۷) حضرت شیخ کے اصحاب بلکہ آپ کے صاحبزادے بھی حکایت کرتے ہیں کہ ایک سوداگر کی نیل کی بوری چوری ہو گئی۔ صاحب مال نے حضرت کے رشتہ داروں میں سے ایک جوان کو چوری سے متہم کیا۔ وہ جوان اہانت و تکلیف کے ڈر سے بھاگ گیا۔ سرہند کے کوتوال نے جب یہ سنا تو حضرت کو طلب کیا۔ آپ نے ان یاروں کو جن کی نسبت آپ کو علم تھا کہ وہ آپ کا اس طرح جانا گوارا نہ کر سکیں گے۔ ہر طرف کسی نہ کسی کام پر روانہ کر دیا اور خود ایک خادم کے ساتھ پیادہ تشریف لے گئے۔ وہ بے ادب کوتوال سخت باتیں زبان پر لاتا تھا اور آپ بڑی نرمی سے جواب دیتے تھے۔ اس اثنا میں مولانا طاہر بدخشی آپہنچے اور اس کوتوال پر ناراض ہو کر کہنے لگے ارے ایسے تیسے! تجھے معلوم بھی ہے کہ تو نے کیسے شخص کو طلب کیا ہے۔ آپ نے حضرت مولانا کو اس گفتگو سے روکا۔ کوتوال نے آپ کو رخصت کر دیا۔ اس بے ادبی پر زیادہ دن نہ گزرے تھے کہ اس کوتوال اور اس علاقہ کے کروری کے درمیان بڑی لڑائی ہوئی۔ کوتوال بیس تیس بیٹوں اور رشتہ داروں سمیت ایک بالاخانہ پر چڑھ گیا جو بارود سے پُر تھا۔ اچانک اس بارود میں کہیں سے آگ لگ گئی۔ جس نے کوتوال کو ساتھیوں سمیت جلا کر ان کا نشان تک نہ چھوڑا۔

بے ادب تنہا نہ خود را داشت بد
بلکہ آتش در ہمہ آفاق زد

(۸) ایک امیر زادہ کو سلطان وقت نے کسی تقصیر کے سبب لاہور سے طلب کیا۔ غضب سلطانی کے مشاہدے سے حاضرین کو یقین تھا کہ اس امیر زادے کو آتے ہی ہاتھی کے پاؤں میں ڈال دیا جائے گا۔ جب وہ سرہند میں پہنچا تو حضرت شیخ کی خدمت میں جان بخشی کے لئے التماس کی۔ حضرت نے فرمایا کہ خاطر جمع رکھو۔ انشاء اللہ تمہیں کوئی تکلیف نہ پہنچے گی بلکہ سلطان تم پر مہربانیاں کرے گا۔ اس نے نہایت اضطراب میں عرض کیا کہ آپ جو کچھ زبان مبارک سے فرما رہے ہیں وہ مجھے لکھ کر دے دیجئے تاکہ پورا پورا اطمینان ہو جائے۔ حضرت نے اس کے اصرار پر یہ لکھ کر دے دیا کہ چونکہ فلاں امیر زادے نے غضب سلطانی کے خوف سے جو غضب الٰہی کا نمونہ ہے، فقراء کی طرف رجوع کیا ہے۔ اس لئے فقراء نے اسے اپنی پناہ میں لے لیا اور اس مہلکہ سے اسے رہائی دے دی۔ کئی دن کے بعد اچانک خبر آئی کہ اس کو سلطان نے اذیت دے کر قید خانہ میں بھیج دیا ہے۔ جب حضرت نے یہ سنا تو مسکرا کر فرمایا کہ فقیر کی نظر میں صبح کی روشنی کی طرح واضح ہے کہ وہ سلطان کی طرف سے شفقت و عنایت ہی دیکھے گا اور یہ خبر جو آئی ہے غلط ہے۔ دو تین روز کے بعد معلوم ہوا کہ سلطان اس امیر زادے کو دیکھتے ہی ہنس پڑا اور نصیحت کے طور پر چند کلمے زبان پر لایا، پھر بڑی عنایت سے خلعت دے کر رخصت کیا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

(۹) مولانا محمد امین جو خواجہ دیوانہ سورتی کے مریدوں میں سے تھے، مرض شدید میں مبتلا ہو گئے اور مدت تک بیمار رہے، نہ دوا سے بیماری میں تخفیف ہوتی تھی نہ دعائے سے۔ حضرت شیخ کی شہرت سن کر انہوں نے ایک عریضہ خدمت شریف میں ارسال کیا اور دعا سے صحت اور جامۂ تبرک کے لئے التماس کی۔ حضرت نے ترس کھا کر ایک عنایت نامہ مع پیراہن تبرک بھیجا۔ اس عنایت نامہ میں مرض قلبی کے ازالہ کی تاکید فرما کر آپ نے یوں تحریر فرمایا:

''دیگر آنکہ آپ ظاہر کے ضعف کے سبب سے اندیشہ نہ کریں۔ انشاء اللہ تعالیٰ یہ ضعف صحت و عافیت سے بدل جائے گا۔ فقیر کا دل اس طرف سے مطمئن ہے۔ آپ نے فقیروں کا جامہ طلب کیا تھا۔ پیراہن بھیج دیا گیا۔ آپ اسے پہن کر نتائج و ثمرات کے منتظر رہیں، کیونکہ یہ بڑی برکت والا ہے''۔

ہر کس افسانہ بخواند افسانہ است
و آنکہ دیدش نقد خود مردانہ است

(مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب: ۱۶۶)

چنانچہ مولانا نے وہ پیراہن پہن لیا اور سالوں کی بیماری سے صحت پائی اور حاضر خدمت ہو کر حضرت شیخ کے مریدوں کے زمرہ میں داخل ہوئے۔

(۱۰) علاقہ سرہند کے ایک فاضل مخلص کا بیان ہے کہ حضرت شیخ سے میری ارادت کا باعث یہ ہوا کہ میرا ایک رشتہ دار تھا جس سے مجھے بڑی محبت تھی۔ وہ ایک مرض شدید میں مبتلا ہو گیا اور دعا و دوا کے لئے فقراء و اطباء کی خدمت میں، بہت پھرا، مگر کچھ فائدہ نہ ہوا۔ ایک شخص نے مجھ سے حضرت شیخ کی تعریف کی۔ میں نے حاضر خدمت ہو کر توجہ کی التماس کی۔ آپ نے فاتحہ پڑی اور حجرے میں داخل ہوئے۔ ایک لمحہ کے بعد حجرے سے نکل کر آواز دی کہ فلاں شخص جس نے اپنے مریض کے لئے فاتحہ شفا کی درخواست کی تھی کہاں ہے، میں حاضر ہوا تو فرمایا کہ ہم فاتحہ مغفرت پڑھتے ہیں، میں حیران و غمگین ہو کر اپنے مکان کی طرف جو سرہند سے چند فرسنگ کے فاصلہ پر تھا روانہ ہوا۔ میں نے راستے میں اپنے دل میں کہا کہ حضرت کی یہ دوسری فاتحہ موت کی صریح خبر ہے۔ جب میں گھر پہنچا تو اس مریض کو دفن کر چکے تھے۔ میں نے جو حساب لگایا تو ظاہر ہوا کہ جس وقت حضرت نے مجھے بلا کر فاتحہ مغفرت پڑھی تھی وہ اسی وقت فوت ہوا تھا یہ کرامت دیکھ کر میں آپ کا مرید ہو گیا۔

(۱۱) نواب خان خاناں صوبہ دار دکن جو محب الفقراء اور حضرت شیخ کا معتقد تھا، اس امر پر مامور تھا کہ ممالک دکن کو تصرف میں لائے۔ ایک مدت درازیوں ہی گزر گئی۔ معتمدان سلطنت نے سلطان سے عرض کیا کہ خان خاناں نے پوشیدہ دشمن سے صلح کر لی ہے اور بظاہر جنگ میں مشغول ہے۔ بادشاہ نے فوراً خان خاناں کو معزول کر دیا اور اس بات کا خطرہ ہوا کہ کہیں اسے قتل کرا دے۔ سیادت مآب میر محمد نعمان نے جو خان خاناں کے آشنا تھے، یہ معاملہ حضرت شیخ کی خدمت میں لکھا اور توجہ کے لئے التماس کی۔ حضرت نے میر موصوف کے عریضہ کو پڑھ کر لکھا کہ آپ کے خط کے مطالعہ کے وقت خان موصوف بہت عالیشان نظر آئے۔ آپ اس کے معاملہ میں مطمئن رہیں۔ جب یہ جواب سید صاحب کی خدمت میں پہنچا تو سید صاحب نے بجنسہ خان خاناں کے پاس بھیج دیا۔ اس نے شکریہ ادا کیا اور کہا کہ بزرگوں کی توجہ سے ایسا ہو جانا تعجب کی بات نہیں مگر بظاہر بہت ہی مشکل ہے کیونکہ سلطان وقت میرے حق میں نہایت بدگمان ہو گیا ہے اور حاسد لوگ ہر طرف سے ضرر پہنچانے کی فکر میں ہیں۔ حضرت شیخ کے مکتوب کو دس بارہ روز بھی نہ ہوئے تھے کہ بادشاہ کا دل خان خاناں کی طرف سے صاف ہو گیا اور ملک دکن کی صوبہ داری پر بحال کر دیا۔

(۱۲) ایک سجادہ نشین شیخ بڑی محبت و اشتیاق سے فاصلہ دراز سے حضرت شیخ کی خدمت میں حاضر ہوا مگر آپ نے اس پر چنداں عنایت نہ فرمائی۔ آپ کے بعض مخلصوں نے عرض کیا کہ یہ شخص مشاہیر مشائخ سے ہے اور بڑے اخلاص سے فاصلہ دراز سے حاضر خدمت ہوا ہے۔ آپ اس کے حق میں کرم فرمائیں۔ حضرت نے فرمایا ہاں میں ایسا ہی گمان کرتا تھا، مگر میں اس کی پیشانی پر خط جلی میں لفظ انکار لکھا ہوا دیکھتا ہوں۔ کیا کیا جائے۔ یہ سن کر یاروں کو تعجب ہوا۔ کچھ مدت کے بعد حضرت کی فراست کے آثار ظہور میں آئے۔ **اتقوا فراسة المومن فانه ینظر بنور الله**۔

(۱۳) شیخ محمد مسعود جو حضرت شیخ کے چھوٹے بھائی اور حضرت خواجہ باقی باللہ کے مقبول مریدوں میں سے تھے، تجارت کے لئے قندھار گئے ہوئے تھے۔ اس اثنا میں ایک روز صبح کے وقت حضرت نے اپنے ایک خادم سے فرمایا کہ عجیب معاملہ ہے۔ میں ہر چند محمد مسعود کے احوال کی طرف متوجہ ہوا اور چشم مکاشفہ سے اس کو تلاش کیا۔ مگر روئے زمین پر کہیں اس کو نہ پایا۔ بعد ازاں جب میں بغور متوجہ ہوا تو اس کی قبر نظر آئی

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

کہ ابھی فوت ہوا ہے۔ سامعین نے تاریخ اور دن لکھ لیا۔ چند روز کے بعد اس کے ساتھی واپس آ گئے اور انہوں نے اس کے مرنے کی تاریخ اور دن وہی بتایا، جو حضرت شیخ نے بیان کیا تھا۔

(۱۴) جن دنوں میں حضرت شیخ اجمیر شریف تشریف رکھتے تھے، رمضان کا مہینہ عین برسات میں آیا۔ حضرت حسب عادت ختمات قرآنی میں مشغول ہو گئے۔ پہلی رات نماز تراویح میں بیس یاروں نے ایک مسجد میں جو نہایت تنگ تھی نماز ادا کی۔ تعفن سے حضرت کو اور درویشوں کو تکلیف پہنچی۔ نماز ادا کرنے کے بعد حضرت کی زبان مبارک سے نکلا کہ جو ختمات ہم نے قرار دیئے ہیں ان کے اختتام تک اگر بفضل الٰہی راتوں کو بارش نہ ہو، تاکہ مسجد کے باہر تراویح پڑھی جائیں تو یہ بڑی نعمت ہے چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ ستائیسویں رات تک چار ختم ہو گئے اور کسی رات بارش نہ ہوئی اور اٹھائیسویں تاریخ سے رات کو پانی برسنا شروع ہوا۔

(۱۵) وہی مسجد جس کا اوپر ذکر ہوا اس کی ایک بنیاد کی دیوار کمزور ہو گئی تھی اور وہ ایک طرف کو اس قدر جھک گئی تھی کہ اکثر نمازی اور آنے جانے والے خیال کرتے تھے کہ آج نہیں تو کل گر جائے گی۔ ایک روز حضرت شیخ نے خوش طبعی کے طور پر فرمایا کہ جب تک فقراء یہاں ہیں۔ ان کی خاطر سے نہ گرے گی۔ بقول اکابر کہ ھزلنا جدٌ ایسا ہی وقوع میں آیا۔ جس روز حضرت نے وہاں سے کوچ کیا۔ آپ کا اس مسجد کے محاذات سے اوجھل ہونا تھا کہ وہ دیوار یکبارگی گر پڑی۔

(۱۶) ایک امیر نے حضرت شیخ سے عرض کیا کہ میں جوانی سے گزر کر بڑھاپے کو پہنچ گیا، مگر کوئی فرزند پیدا نہ ہوا۔ جو میرے بعد صفحہ روزگار پر میری یادگار رہتا۔ اس بارے میں آپ توجہ فرمائیں۔ حضرت کچھ دیر تک مراقب رہے، پھر فرمایا کہ لوح محفوظ میں اس موجودہ بیوی سے تمہاری قسمت میں کوئی اولاد نہیں ہے۔ اگر دوسری شادی کرو تو اولاد ہو گی اور تمہارے بعد تمہاری یادگار رہے گی۔ اتفاقاً اس کی بیوی نے وفات پائی اور دوسری بیوی سے اس کی شادی ہو گئی جس سے ایک لڑکا اور ایک لڑکی پیدا ہوئی اور یہ دونوں اس کے بعد یادگار رہے۔

(۱۷) شیخ نور محمد اناری جو حضرت شیخ کے قدیم مرید اور صاحب اجازت تھے اور آٹھ بار حضرت رسالت پناہ ﷺ کی زیارت سے مشرف ہو چکے تھے، بیان کرتے ہیں کہ میرے بھائی کے گھر میں جن رہتا تھا جو ہمیشہ اس سے دشمنی کرتا تھا، یہاں تک کہ اس کی اذیت سے میرے بھائی نے انتقال کیا۔ میں بھی اسی گھر میں رہتا تھا۔ بھائی کے انتقال کے بعد بہت ہیبت ناک صورتیں میرے سامنے آنے لگیں اور پھولوں کی خوشبو مہکتی محسوس ہونے لگی۔ میرے بھائی کی بھی ابتدائی حالت یہی ہوئی تھی۔ میرے اقرباء یہ سن کر میری زندگی سے ناامید ہو گئے۔ ایک رات میں اپنی بیوی سے ہم بستر تھا اور ابھی فارغ نہ ہوا تھا کہ وہ جن آ گیا اور ہم دونوں کے اوپر چڑھ کر بیٹھ گیا اور ہمیں ایسا دبایا کہ ہم ہاتھ اٹھانے سے عاجز آ گئے۔ لحاف کو بھی اپنے اوپر سے نہ اٹھا سکے۔ ہم اسی بے قراری میں تھے کہ حضرت شیخ نمودار ہوئے اور آواز دی کہ نور محمد! کچھ خوف نہ کر۔ یہ جن ابھی بھاگ جائے گا کیونکہ شیطان کا مکر کمزور ہوتا ہے۔ جن نے حضرت کی آواز سنتے ہی ہم کو چھوڑ دیا۔ میں اٹھا اور حضرت غائب ہو گئے۔ اس کے بعد میرے گھر میں کسی کو جن کا آسیب نہ ہوا اور جنات وہاں سے جلاوطن ہو گئے۔ میں دیکھتا تھا کہ وہ اپنے ساز و سامان کو لے کر میرے گھر سے جا رہے ہیں اور یہ کہہ رہے ہیں کہ حضرت نے ہم کو جلاوطن کر دیا۔ اب ہم موضع شادیوال میں جا کر ٹھہریں گے۔

(۱۸) جب حضرت شیخ کی عمر گرامی پچاس کے قریب ہو گئی تو آپ نے فرمایا کہ میں اپنی عمر کے پچاس اور ساٹھ کے درمیانی زمانہ میں اپنے اوپر ایک حادثہ عظیم پاتا ہوں اور اس وقت میں میری وفات کی نسبت قضائے معلق مشہود ہوتی ہے، مگر ساٹھ سال کے بعد جس میں اب بارہ برس باقی ہیں میرے انتقال کی نسبت قضائے مبرم و قطعی محسوس ہوتی ہے، چنانچہ ایسا ہی واقع ہوا، کیونکہ پچاس اور ساٹھ سال کے درمیانی زمانہ میں سلطان وقت نے آپ کو قلعہ گوالیار میں قید کر دیا اور وصال بھی ساٹھ سال کے بعد ہوا۔

(۱۹) ایک روز آپ نے اپنے خالص احباب سے فرمایا کہ مجھے دکھا دیا گیا ہے کہ میری عمر کے بارے میں قضائے مبرم تریسٹھ سال ہے۔ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۲ھ کے پہلے عشرہ میں آپ نے اجمیر سے اپنے صاحبزادوں کو سرہند میں لکھا کہ اس دنیا سے انتقال کے قرب کے آثار دکھائی دے رہے ہیں چنانچہ اس کے ایک سال تین ماہ اور چند روز بعد حضرت کا انتقال وقوع میں آیا۔

(۲۰) حضرت شیخ نے ماہ شعبان ۱۰۳۳ھ میں شب برات کو خلوت خانہ میں شب بیداری کی۔ ناگاہ آدھی رات گزرنے کے بعد آپ گھر میں آئے۔ مخدوم زادوں کی والدہ کی زبان عصمت پناہ سے یہ بات نکلی کہ آج آجال وارزاق کے تقدیر کی رات ہے۔ خدا جانے کس کا نام ورق ہستی سے محو کیا گیا اور کس کا ثابت رکھا گیا یہ سن کر حضرت شیخ نے فرمایا کہ آپ تو بطور شک و تردد کہہ رہی ہیں۔ اس شخص کا کیا حال ہو گا جو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہے کہ اس کا نام اس دنیا کی زندگانی کے صحیفہ سے محو کر دیا گیا اور اشارہ اپنی طرف فرمایا۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا کہ اس بات کے قریباً ساڑھے چھ ماہ بعد آپ نے وفات پائی۔

ہم نے حضرت شیخ کے خوارق ذکر کرنے میں نہایت اختصار سے کام لیا ہے اور جو بیان کئے ہیں وہ بھی بطور مشتے نمونہ ازخروار ہیں۔ وجہ یہ کہ کثرت خوارق سے کسی ولی کی شان نہیں بڑھتی۔ نہ قلت سے کسر شان ہوتی ہے۔ چنانچہ حضرت شیخ خود یوں تحریر فرماتے ہیں:

''خوارق کا کثرت سے ظاہر ہونا افضلیت پر دلالت نہیں کرتا۔ ایسا ہوسکتا ہے کہ ایک ولی جس سے کوئی خارق ظہور میں نہ آئے دوسرے ولی سے افضل ہو جس سے خوارق وکرامات ظہور میں آئے ہوں'' (مکتوبات۔ دفتر اول۔ مکتوب ۲۹۴)

اسی طرح آپ میر محمد نعمان رحمہ اللہ تعالیٰ کو لکھتے ہیں:

''آپ کو معلوم رہے کہ خوارق وکرامات کا ظاہر ہونا ولی ہونے کی شرط نہیں۔ جس طرح علماء خوارق وکرامات کے حصول کے ساتھ مکلّف نہیں۔ اولیاء بھی خوارق کے ظہور کے ساتھ مکلّف نہیں کیونکہ ولایت سے مراد قرب الٰہی ہے جل سلطانہ جو خدا تعالیٰ اپنے ماسوا کے نسیان کے بعد اپنے اولیاء کو عطا فرماتا ہے۔ ایک شخص کو یہ قرب عطا کیا جاتا ہے اور اسے مخلوقات کے مغیبات پر کچھ اطلاع نہیں دی جاتی۔ ایک دوسرا شخص ہے جسے قرب بھی دیا جاتا ہے اور مغیبات پر مطلع بھی کیا جاتا ہے۔ ایک تیسرے شخص کو قرب سے کچھ نہیں دیا جاتا مگر مغیبات پر مطلع کیا جاتا ہے۔ یہ تیسرا شخص اہل استدراج سے ہے۔ نفس کی صفائی نے اس کو مغیبات کے کشف میں مبتلا کیا ہے اور گمراہی میں ڈال رکھا ہے۔ آیہ کریمہ ویحسبون انهم على شئى الا انهم هم الكذبون . استحوذ عليهم الشيطن فانسهم ذكر الله اولئک حزب الشيطن الا ان حزب الشيطن هم الخسرون (سورہ مجادلہ) ایسے ہی لوگوں کے حال میں وارد ہیں۔ پہلا اور دوسرا شخص جو دولت قرب سے مشرف ہیں اولیاء اللہ سے ہیں نہ کشف مغیبات ان کی ولایت میں زیادتی کرتا ہے اور نہ عدم کشف ان کی ولایت میں نقصان پیدا کرتا ہے۔ ان کا فرق باعتبار درجات قرب کے ہے۔ بہت دفعہ ایسا ہوتا ہے کہ وہ شخص جسے صور غیبی کا کشف حاصل نہ ہو قرب الٰہی کی زیادتی کے سبب سے اس شخص سے افضل وپیش قدم ہوتا ہے جسے کشف حاصل نہ ہو، قرب الٰہی کی زیادتی کے سبب سے اس شخص سے افضل وپیش قدم ہوتا ہے جسے کشف صور حاصل ہو۔ (مکتوبات۔ دفتر دوم۔ مکتوب: ۹۲)

تبلیغ واشاعت:

پہلے بیان ہو چکا ہے کہ حضرت شیخ نے سترہ برس کی عمر میں علوم ظاہری سے فارغ ہو کر درس وتدریس اور تصنیف رسائل کے ذریعہ سے تبلیغ کا کام شروع کر دیا تھا۔ بعد ازاں حضرت خواجہ باقی باللہ قدس سرہ سے اجازت ارشاد پا کر تلقین طلاب میں مشغول ہو گئے تھے اور حسب اشارہ پیر بزرگوار لاہور میں اشاعت طریقہ فرما رہے تھے کہ حضرت خواجہ نے وفات پائی۔ ان کے وصال کے بعد ان کے مسترشدین نے آپ سے تجدید بیعت کر کے استفادہ باطنی جاری رکھا۔ آپ کے کمالات عالیہ کی برکت اور انوار صحبت کے فیض سے سلسلہ نقشبندیہ تھوڑے عرصہ میں ہندوستان میں دور دور شائع ہو گیا۔ اس کے بعد سلسلہ عالیہ مجددیہ ہندوستان سے باہر دیگر ممالک میں بھی پھیلنے لگا، چنانچہ تجدید وقیومیت کے چھٹے سال شیخ طاہر بدخشی، شیخ احمد برکی، خواجہ یوسف برکی، شیخ حسن برکی، مولانا یار محمد قدیم طالقانی، مولانا صالح گولامی، شیخ عبدالحق شادمانی اپنے اپنے شہروں سے دور دراز سفر طے کر کے سرہند شریف میں حاضر ہوئے اور سلسلہ عالیہ مجددیہ میں داخل ہوئے۔ یہ سب خلافت سے سرفراز ہو کر ذریعہ اشاعت طریقہ بنے۔ تجدید کے بارہویں سال بہت سے جن بھی حضرت کے سلسلہ عالیہ میں داخل ہوئے، چنانچہ جنوں کا بادشاہ مع لشکر آپ کا مرید ہو گیا۔

تجدید کے چودھویں سال حضرت شیخ نے اپنے خلیفے بغرض ہدایت خلق دنیا کے اطراف میں روانہ کئے، چنانچہ ستر اہل ارادت بسر کردگی مولانا یار محمد قدیم طالقانی ملک ترکستان وقبچاق کو بھیجے اور چالیس ارادتمند یمن شام روم کی طرف بسر کردگی مولانا فرخ حسین روانہ فرمائے اور اپنے دس معتبر یار مولانا صادق کابلی کے تحت میں کاشغر کی طرف روانہ کئے اور تین بڑے بڑے خلیفوں کو بسر کردگی مولانا شیخ احمد برکی توران بدخشان اور خراسان کی طرف رخصت کیا۔ ان خلفاء کی ہر جگہ بڑی عزت ہوئی اور ان ملکوں کے چھوٹے بڑے امیر وزیر بادشاہ تک حضرت کے خلفاء کے مرید بن گئے۔ خراسان بدخشان اور توران میں تو طریقہ عالیہ احمدیہ کا اس قدر رواج ہوا کہ وہاں کا کوئی شہر یا قصبہ ایسا نہ تھا جہاں اس سلسلہ کے خلفاء نہ ہوں، یہاں تک کہ عبداللہ خان اوزبک جو وہاں کا بادشاہ تھا حضرت کا ایسا معتقد ہو گیا کہ کوئی کام آپ کے خلفاء کے مشورے کے بغیر نہ کرتا۔

خلفاء کے علاوہ حضرت کے مکتوبات کے ذریعہ سے بھی تبلیغ واشاعت ظہور میں آئی۔ مکتوبات کی پہلی جلد ۱۰۲۵ھ میں تمام ہوئی۔ جسے حضرت کے خلیفہ خاص شیخ یار محمد جدید طالقانی نے جمع کیا تھا۔ لوگوں نے اس کی نقلیں حاصل کیں اور ایران توران بدخشان ماوراء النہر میں شائع ہوئی اور اس کا بہت اچھا اثر پڑا، چنانچہ تجدید کے بائیسویں سال ایک درویش بلخ سے ہندوستان آیا۔ اس کی وساطت سے وہاں کے اکابر نے

مثلاً مشائخ میں سے سیادت پناہ سید میرک شاہ اور شیخ المشائخ کبروی میر محمد اور میر مومن بلخی نے اور علماء میں سے مولانا ربانی حسن قنادانی اور مولانا نانولک نے درخواستیں بھیج کر غائبانہ بیعت کی۔

اس مقام پر یہ بیان کر دینا بھی مناسب معلوم ہوتا ہے کہ حضرت مجدد الف ثانی نے تجدید و قیومیت کے پندرہویں سال اپنے خلیفہ شیخ بدیع الدین سہارنپوری کو سلطان ہند جہانگیر کے لشکر کی خلافت دے کر بغرض اشاعت طریقہ آگرہ میں بھیجا جہاں اس سلسلہ عالیہ کا کوئی خلیفہ نہ تھا اور اسے تاکید کر دی کہ مستقل مزاج رہنا اور ہماری اجازت کے بغیر وہاں سے نہ آنا، چنانچہ شیخ صاحب لشکر سلطانی میں تشریف لے گئے اور وہاں ان کو قبولیت عامہ نصیب ہوئی۔ ارکان سلطنت میں سے خان خاناں، اعظم خاں، خانجہاں لودھی، سکندر خاں، سید صدر جہاں، اسلام خاں اور مہابت خاں وغیرہ داخل سلسلہ ہو گئے اور مجلس حلقہ گرم ہونے لگی۔

حضرت شیخ نے رد روافض میں ایک رسالہ لکھا تھا جس کا کہ پہلے بیان ہو چکا ہے اور اپنی دیگر تحریرات میں بھی روافض کے عقائد باطلہ کی تردید فرمایا کرتے تھے، اس لئے شیعہ آپ کے جسمانی دشمن ہو گئے تھے۔ جہانگیر کا وزیر آصف جاہ شیعی تھا۔ اس نے جب خلیفہ بدیع الدین کے ارشاد کا حال سنا تو بہت پیچ و تاب کھایا اور بادشاہ سے کہہ دیا کہ آج کل شہر سرہند میں ایک سیاسی شخص شیخ احمد نام ہے۔ جس کے بہت سے مرید ہیں۔ غیر ممالک کے بادشاہ تک اس کے نیاز مند و مرید ہیں۔ اس کا ایک خلیفہ یہاں لشکر میں بھی آیا ہوا ہے۔ آپ کے لشکر کے اراکین اس کے مرید ہو گئے ہیں۔ ایسا نہ ہوا کہ شیخ سرہندی آپ کی سلطنت پر ہاتھ ڈالے۔ شاہ اسماعیل صفوی نے مریدوں ہی کے ذریعہ سلطنت ایران پر قبضہ کر لیا تھا۔ اس اثنا میں شیخ صاحب بغرض اصلاح بعضے امور وطن چلے آئے۔ حضرت شیخ کو جو خبر لگی تو خفا ہوئے کہ ہماری اجازت کے بغیر کیوں آئے۔ انہوں نے حاضر خدمت ہو کر عرض کی کہ میں پھر بغرض ارشاد آگرہ چلا جاتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ وقت وہی تھا۔ اگر اب تم جاتے ہو تو تم جانو تمہارا اختیار ہے۔ غرض شیخ صاحب پھر آگرہ پہنچے اور وہاں مخالفین کی ایک جماعت کو خشونت آمیز نصیحتیں کیں اور اپنے بلند احوال گوش گزار کئے بلکہ بعض ایسے وقائع و کشوف ذکر کئے کہ جن کا ظاہر کرنا موجب فتنہ تھا۔ ان مخالفین نے بادشاہ کو یہ پٹی پڑھائی کہ شیخ بدیع الدین کا سرہند جانا اور پھر آنا خالی از علت نہیں اور حضرت مجدد کے خلاف بہت کچھ کہا، جن میں سے ایک امر یہ بھی تھا کہ حضرت شیخ اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر ﷺ سے افضل جانتے ہیں اور کہتے ہیں کہ میرا مقام ان کے مقام سے اوپر ہے اور انہوں نے اپنے زعم فاسد میں اس کے ثبوت میں حضرت کا مکتوب ۱۱ جلد اول پیش کیا، جس میں آپ نے اپنا حال اپنے پیر بزرگوار کی خدمت میں یوں تحریر فرمایا ہے:

''جب مقام سابق سے اوپر کے مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت ذوالنورین کا ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے اور یہ مقام بھی تکمیل و ارشاد کا مقام ہے۔ اسی طرح اوپر کے دو اور مقام بھی جن کا ذکر آتا ہے مقام تکمیل و ارشاد ہیں۔ مقام ذوالنورین سے اوپر ایک اور مقام نظر آیا۔ جب اس مقام تک رسائی ہوئی تو معلوم ہوا کہ یہ مقام حضرت فاروق کا ہے اور دوسرے خلفاء کا بھی وہاں عبور ہوا ہے اور اس مقام سے اوپر حضرت صدیق اکبر کا مقام ظاہر ہوا رضی اللہ تعالیٰ عنہم اجمعین۔ اس مقام پر بھی رسائی ہوئی اور اپنے مشائخ میں سے حضرت خواجہ نقشبند قدس اللہ سرہ الاقدس کو ہر مقام میں اپنے ساتھ پاتا تھا۔ خلفائے دیگر کا بھی اس مقام میں عبور واقع ہوا ہے۔ فرق صرف عبور و اقامت اور مرور و ثبات کا ہے اور اس مقام سے اوپر کوئی مقام مفہوم نہیں ہوتا سوائے مقام حضرت خاتم المرسلین کے علیہ من الصلوات اتمہا و من التحیات اکملہا اور حضرت صدیق ﷺ کے مقام کے مقابل ایک اور بہت عجیب نورانی مقام ظاہر ہوا کہ ایسا کبھی نظر نہ آیا تھا یہ مقام حضرت صدیق اکبر کے مقام سے ذرا اونچا تھا جیسا کہ چبوترے کو روئے زمین سے اونچا کر لیتے ہیں۔ معلوم ہوا کہ وہ مقام محبوبیت کا ہے اور وہ رنگین و منقش تھا۔ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین و منقش پایا''۔

القصہ بادشاہ جو سیر و سلوک صوفیہ کرام سے بالکل بے خبر تھا مخالفین کے دام فریب میں آ گیا۔ اس نے یہ حکم امتناعی نافذ کر دیا کہ لشکریوں میں سے کوئی خلیفہ کے پاس نہ جائے اور عقیدت مند اراکین کو مختلف جگہ پر تبدیل کر دیا۔ چنانچہ خان خاناں کو ملک دکن، مہابت خاں کو کابل، سید صدر جہاں کو بنگال، خانجہاں لودھی کو ملک مالوہ اور خان اعظم کو گجرات بھیج دیا۔ بعد ازاں حاکم سرہند کو لکھا کہ شیخ مجدد کو خود لے کر حاضر ہو اس طرح جب آپ بارگاہ سلطانی میں پہنچے تو آپ نے بادشاہ کو سجدہ تحیہ نہ کیا وزیر دیکھ کر حیران ہوا کہ بادشاہ نے خلاف عادت حضرت پر کوئی اعتراض نہیں کیا اور بادشاہ سے کہنے لگا کہ یہ وہی شخص ہے جو اپنے تئیں حضرت صدیق اکبر سے افضل سمجھتا ہے۔ حضرت شیخ نے اس کا نہایت معقول و مدلل جواب دیا، پھر آپ سے سجدہ تحیہ کو کہا گیا اور ہر چند کوشش کی گئی کہ آپ ذرا سر ہی جھکا لیں، مگر آپ نے ہرگز نہ مانا۔

الغرض بادشاہ نے وزیر کی تحریک پر آپ کے لئے قید کا حکم دیا اور آپ قلعہ گوالیار میں بھیج دئے گئے۔ بادشاہ نے اس واقعہ کو تو زک جہانگیری میں یوں لکھا ہے:

دریں ایام (جمادی الاولیٰ ۱۰۲۸ھ) بعرض رسید کہ شیخ احمد نام شیادے در سہرند دام زرق وسالوس فروچیدہ بسیارے از ظاہر پرستان بے معنی راصید خود کردہ۔ وبہ ہر شہرے ودیارے یکے از مریدان خود را کہ آئین دکان آرائی ومعرفت فروشی ومردم فریبی راز دیگراں پختہ تر داند خلیفہ نام نہادہ فرستادہ۔ واز مزخر فاتے کہ بمریدان ومعتقدان خود نوشتہ کتابے فراہم آوردہ مکتوبات نام کردہ۔ ودراں جنگ مہملات بسا مقدمات لاطائل مرقوم گشتہ کہ بکفر وزندقہ منجر مے شود۔ از انجملہ درمکتوبے نوشتہ۔ کہ دراثنائے سلوک گزرم بمقام ذوالنورین افتاد۔ مقامے دیدم بغایت عالی وخوش بصفا۔ از آنجا درگزشتم۔ بمقام فاروق پیوستم۔ واز مقام فاروق بمقام صدیق عبور کردم۔ دہر کدام رابعبر لیفے درخور آں نوشتہ واز آنجا بمقام محبوبیت واصل شدہ مقامے مشاہدہ افتاد بغایت منور وملون۔ خودرا بانواع انوار والوان منعکس یافتم یعنی استغفر اللہ از مقام خلفاء درگزشتہ بعالی مرتبت رجوع نمودم۔ ودیگر گستاخیہا کردہ نوشتن آں طولے دارد واز ادب دوراست۔ بنابریں حکم فرمودم کہ بدرگاہ عدالت آئیں حاضر سازند۔ حسب الحکم بملازمت پیوست۔ واز ہر چہ پرسیدم جواب معقول نتوانست سامان نمود۔ وباعدم خرد ودانش بغایت مغرور وخود پسند ظاہر شد۔ صلاح حال او منحصر دریں دیدم کہ روزے چند درزندان ادب محبوس باشد تا کہ شوریدگی مزاج وآشفتگی دماغش قدرے تسکین پذیرد۔ وشورش عوام نیز فرونشیند۔ لاجرم بانے راے سنگدلن حوالہ شد کہ درقلعہ گوالیار مقید دارد'

اس عبارت فارسی سے ظاہر ہے کہ بادشاہ نے جو حضرت شیخ اور آپ کے مکتوبات اور آپ کے خلفاء کی نسبت دریدہ دہنی کی ہے وہ کسی دوسرے کے کہنے سے کی گئی ہے۔ مکتوب ۱۱ جلد اول کا جو حوالہ دیا ہے۔ اگر ہم بنظر انصاف غور کریں تو اس سے یہ امر ہرگز ثابت نہیں ہوتا کہ آپ کا مقام حضرت صدیق اکبرؓ کے مقام سے اعلیٰ ہے کیونکہ کسی مقام پر وصول ورسائی اور بات ہے اور اس مقام کا حصول ویافت اور سلاطین اپنے ادنےٰ خادم کو خدمت کے لئے اپنے پاس بلا لیتے ہیں اور وہ امراء کے مقام سے گزر کر پیشی میں حاضر ہوتا ہے، پھر اپنے مقام پر واپس جا کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس نوکر کا مرتبہ امراء کے مرتبہ سے زیادہ ہے، دیگر یہ کہ حضرت نے فرمایا ہے کہ میں نے اپنے تئیں اس مقام کے عکس سے رنگین ومنقش پایا۔ یہ نہیں فرمایا کہ میں اس مقام پر پہنچ گیا دیکھئے سورج چوتھے آسمان پر ہے اور اس کا عکس زمین پر روشن ہے مگر اس سے یہ نہیں کہہ سکتے کہ زمین مقام آفتاب پر پہنچ گئی۔ خود حضرت شیخ کے ارادت مندوں نے آپ سے عبارت زیر بحث کا حل دریافت کیا ہے اور آپ نے ان کو کافی جواب دیے ہیں (دیکھو مکتوبات۔ جلد اول مکتوب ۱۹۲، ۲۰۲، ۲۰۸ اور جلد ثانی مکتوب ۹۹) بادشاہ کا یہ لکھنا کہ حضرت شیخ معقول جواب نہ دے سکے، بالکل غلط ہے۔

حضرت شیخ کی قید کی خبر سن کر ارا کین سلطنت میں سخت بے چینی پیدا ہوئی چنانچہ خان خاناں، خان اعظم، سید صدر جہاں، اسلام خاں، مہابت خاں، مرتضیٰ خاں، تربیت خاں، خانجہاں لودھی، سکندر خاں، حیات خاں اور دریا خاں وغیرہ جو حضرت کے مرید تھے، باہم خط وکتابت کر کے بغاوت پر آمادہ ہو گئے، بالآخر حضرت نے ان سب کو تسلی وتشفی کے خط لکھ کر بغاوت کرنے سے روک دیا۔ آپ ایام حبس میں بھی تبلیغ فرماتے رہے، چنانچہ بہت سے کفار آپ کے دست مبارک پر مشرف باسلام ہوئے اور سینکڑوں کو داخل طریقہ فرما کر آپ نے درجہ ولایت تک پہنچا دیا۔ ایام قید میں آپ نے کبھی بادشاہ کے لئے بددعا نہ کی، بلکہ فرماتے تھے کہ اگر بادشاہ مجھے نظر بند نہ کرتا تو اتنے آدمی جو فوائد دینی سے مستفید ہوئے محروم رہ جاتے اور ہماری ترقی مقامات جو نزول بلا پر موقوف تھی وقوع میں نہ آتی، جیسا کہ ان مکتوبات سے ظاہر ہے جو آپ نے ان ایام میں صاحبزادگان اور دیگر ارادت مندوں کو لکھے ہیں۔ دو سال کے بعد بادشاہ اپنے کئے پر نادم ہوا اور حضرت شیخ کو اعزاز واکرام سے اپنے پاس بلا کر معذرت کی اور آپ کا ایسا محب بن گیا کہ آپ کو لشکر میں اپنے ساتھ رکھتا تھا اور شہزادہ خرم کو جو ملقب بہ شاہجہاں ہوا آپ کے مریدین کے زمرہ میں داخل کر دیا۔ بعد ازاں عالمگیر اورنگ زیب بھی اسی سلسلہ میں داخل ہوا اور امراء ووزراء کثرت سے سلسلہ مجددیہ میں منسلک ہوئے۔ القصہ حضرت شیخ لشکری زندگی میں بھی اپنی بے اختیاری کا خوب ذوق ولطف اٹھاتے رہے اور بدستور تبلیغ میں مشغول رہے۔ ۱۰۳۲ھ میں آپ اجمیر شریف میں تشریف رکھتے تھے کہ آپ کو قرب موت کے آثار محسوس ہوئے، آپ کو لشکر سے رخصت مل گئی وطن میں آکر آپ نے گوشہ اختیار فرمایا اور ارشاد کا کام اپنے صاحبزادے خواجہ محمد معصوم کے سپرد کر دیا۔

صاحب زبدۃ المقامات لکھتے ہیں کہ اگرچہ اس کے بعد بادشاہ اس امر سے نادم وپشیمان ہوا اور اس نے بہت سے عذر کئے، مگر یہ بے ادبی

اس کے لئے نامبارک ہوئی اس کی سلطنت میں بہت شور وفتور پیدا ہوا۔ اس کے بعضے بڑے علاقوں کو ایرانیوں نے غلبہ پا کر اپنے قبضہ میں کر لیا اور وہ خود مہلک کمزوریوں میں مبتلا ہو گیا۔ یہاں تک کہ اسی حال میں اس دنیا سے چل دیا۔

اخلاق وعادات:

صبر وشکیب، رضا وتسلیم، حسب حال ہر ایک کی تعظیم، لوگوں پر شفقت، صلہ رحم، ارباب حقوق کی رعایت، مریضوں کی عیادت، سلام میں سبقت، کلام میں نرمی آپ کا شیوہ حسنہ تھا۔ آپ کا طریقہ عمل بر عزیمت تھا۔ عبادات وعادات میں نہایت احتیاط اور سنت کا کمال اتباع ملحوظ تھا، چنانچہ ایک روز کا ذکر ہے کہ آپ معارف کے لکھنے میں مشغول تھے۔ بول کے واسطے جو جلدی سے اٹھے تو بیت الخلا میں داخل ہوئے پھر جلدی سے باہر نکل آئے۔ لوگوں کو حیرت ہوئی کہ کیوں اتنی جلدی چلے آئے۔ نکلتے ہی آپ نے پانی منگا کر انگوٹھے کو دھویا اور پھر بیت الخلا میں گئے۔ جب وہاں سے نکلے تو فرمایا کہ جب میں بیت الخلا میں داخل ہوا تو دیکھا کہ میرے انگوٹھے پر سیاہی کا داغ ہے۔ جو حروف قرآنی کی کتابت کا سامان ہے، اس واسطے مناسب نہ سمجھا کہ سیاہی سمیت وہاں بیٹھوں۔ گو بول کی اشد ضرورت تھی لیکن ترک ادب کے مقابلہ میں آپ نے اسے روک رکھا۔ اسی طرح ایک روز جو بیت الخلا میں داخل ہوئے تو غلطی سے پہلے دایاں پاؤں اندر رکھ دیا۔ اس روز احوال بند رہے۔

ایک دفعہ مولانا صالح ختلانی علیہ الرحمۃ کو فرمایا کہ تھیلی میں سے چند ایک لونگ نکال لاؤ۔ وہ چھ دانے نکال لائے۔ آپ نے جھڑک کر فرمایا کہ دیکھو یہ بھی صوفی ہیں۔ اس نے اتنا بھی نہیں سنا کہ اللہ وتر یحب الوتر۔ عدد طاق کی رعایت مستحب ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے پسندیدہ عمل کے عوض تمام دنیا وآخرت بھی دے دیں تو بھی سمجھو کہ کچھ نہیں دیا۔

ایک روز آپ اپنے تخت پر تکیہ لگائے بیٹھے تھے کہ جھٹ پٹ نیچے اترے اور فرمایا کہ مجھے تخت تلے ایک کاغذ دکھائی دیا ہے۔ معلوم نہیں اس میں کچھ لکھا ہے یا نہیں ۔آپ نے اتنی دیر بھی تخت پر بیٹھنا جائز نہ سمجھا کہ کسی کو حکم دیں کہ تخت تلے سے کاغذ نکالے۔ گویا آپ نے ایسی صورت میں تخت پر بیٹھنا بے ادبی سمجھا۔

ایک دفعہ کا ذکر ہے ایک حافظ جس کے تلے فرش تھا۔ قرآن شریف پڑھنے میں مشغول ہوا۔ جب حضرت شیخ نے نگاہ کی تو دیکھا کہ جہاں پر خود تشریف رکھتے ہیں وہاں فرش زیادہ ہے جھٹ اپنے تلے سے نکال دیا تا کہ اس حافظ سے اونچے نہ بیٹھیں۔

حضرت شیخ کے دن رات کے احوال کو مع ورد وظائف حضرت خواجہ محمد معصوم اور دیگر خلفاء نے شرح وبسط کے ساتھ لکھا ہے جس کے ایراد کی اس مختصر میں گنجائش نہیں۔ **وفات:**

حضرت شیخ ایام مرض میں تنہائی بہت پسند کرتے تھے۔ ایک روز حرم سرا کی دہلیز میں لیٹے ہوئے تھے فرمایا کہ اس سرما میں جو دو مہینے کے بعد آئے گی ہم اس گھر میں نہ سوئیں گے۔ حاضرین نے عرض کیا۔ کہ آپ شاید خلوت خانہ میں آرام فرمائیں گے۔ فرمایا کہ وہاں بھی نہیں اور نہ ان گھروں میں سے کسی میں۔ عرض کیا کہ پھر کس جگہ۔ فرمایا کہ میں دیکھ رہا ہوں جو ہونے والا ہے۔ ماہ ذی الحجہ ۱۰۳۳ھ کے وسط میں عارضہ ضیق النفس نے غلبہ پایا۔ ان دنوں میں لقائے حق سبحانہ کے شوق میں آپ رو پڑتے تھے۔ چند روز صحت بھی رہی۔ اسی اثناء میں خیرات وصدقات بکثرت وقوع میں آئے۔ بتاریخ ۱۲ محرم الحرام ۱۰۳۴ھ فرمایا کہ ابھی مجھے بتایا گیا کہ چالیس پچاس دن کے درمیان تجھے اس جہان سے اس جہان میں جانا پڑے گا اور میری قبر مجھے دکھائی گئی۔ بتاریخ ۲۳ صفر روز پنجشنبہ آپ نے درویشوں میں کپڑے تقسیم کئے۔

اگرچہ آپ پر ضعف غالب آ گیا تھا لیکن عبادات ووظائف کے اوقات میں سرمو فرق نہ آیا۔ بدستور ذکر شغل مراقبہ دن رات کے اوراد نماز با جماعت ادا کرتے رہے اور شریعت وطریقت کا کوئی دقیقہ فروگزاشت نہ کیا۔ روز وصال کی شب کو آپ نے ان خادموں کو جو راتوں آپ کی خدمت کرتے رہے فرمایا تم نے بہت محنت کی، صرف آج کی رات اور محنت ہے کل تمہاری خلاصی ہو جائے گی، اس رات آپ بار بار یہ ہندی مصرعہ پڑھتے تھے۔

اج ملاوا کنت سوں سکھی سب جگ دینواں وار

اے محرم! آج وصالِ دوست ہے میں تمام جہان نثار کرتا ہوں۔

اسی رات آپ نے وہ تمام دعائیں پڑھیں جن کا ذکر صحیحین میں ہے۔ رات کے آخری تیسرے حصہ میں اٹھ کر وضو کیا۔ تہجد کی نماز کھڑے ہو کر ادا کی اور فرمایا کہ یہ ہماری آخری نماز تہجد ہے اور واقعی ایسا ہی ہوا۔ جب صبح ہوئی تو فجر کی نماز با جماعت ادا کی۔ حسب عادت مراقبہ کیا۔ بعد ازاں اشراق بڑی دلجمعی سے ادا کی اور اس وقت کی ادعیہ ماثورہ پڑھیں۔ اس کے بعد فرمایا کہ بول کے واسطے تھال لاؤ۔ خادم نے تھال حاضر کیا لیکن اس میں ریت نہ تھی آپ نے فرمایا کہ تھال میں ریت نہیں، احتمال ہے کہ پیشاب کے قطرے لباس پر گریں۔ اس

وقت بھی آپ نے بڑی احتیاط سے کام لیا۔ جب تھال میں ریت ڈال کر حاضر کیا تو فرمایا۔ اب اتنی فرصت نہیں کہ بول کروں اور تازہ وضو کروں۔ اب تو میں وضو سے ہوں۔ اس تھال کو لے جاؤ اور مجھے فرش پر لٹا دو، چنانچہ ایسا ہی کیا گیا جب آپ بستر پر سنت نبوی ﷺ کے مطابق لیٹے یعنی سر شمال کی طرف رخ مبارک قبلہ کی طرف اور دایاں ہاتھ رخسار مبارک کے تلے تھا۔ اس حالت میں ذکر الٰہی میں مشغول ہوئے۔ جب حضرت خازن الرحمت ﷺ نے دیکھا کہ سانس جلدی آ رہا ہے تو پوچھا کہ مزاج مبارک۔ فرمایا: اچھا ہے۔ دو رکعت نماز جو ہم نے پڑھی وہ کافی ہے۔ یہ آخری الفاظ تھے جو آپ نے فرمائے۔ اس کے بعد پھر کسی سے بات نہیں کی۔ صرف ذکر الٰہی میں مشغول رہے۔ القصہ آپ نے بروز سہ شنبہ وقت چاشت ایک پہر دن چڑھے ۲۸ ماہ صفر ۱۰۳۴ھ میں تریسٹھ سال کی عمر میں تریسٹھ دن بیمار رہ کر اس جہان فانی سے اللہ اللہ کہتے وصال فرمایا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

☆☆☆

شیخ الحدیث

حضرت مولانا مفتی محمد صدیق ہزاروی

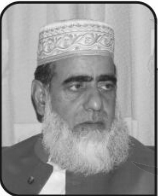

انٹرویو پینل: ابو محی الدین، منظور حسین اختر

اس ماہ دلیل راہ کے ذریعے ہم جس عظیم شخصیت سے ملاقات کرنے جا رہے ہیں ان کے پورے خاندان کو خدمت دین کے حوالے سے امتیازی شان حاصل ہے۔ اس وقت آپ کے بھائی، بھتیجے اور بیٹے بیک وقت نو مساجد میں خطبات کے فرائض سرانجام دے رہے ہیں بلکہ آپ کے خاندان کی خواتین کو بھی عالمہ فاضلہ ہونے کے اعزازات حاصل ہیں۔ آپ کے زیر اہتمام طلبہ کا ایک اور طالبات کے دو مدارس علوم دینیہ کا فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ دو نجی ٹی وی چینلز (اپنا ٹی وی اور لبیک ٹی وی) اور لاہور و اسلام آباد ریڈیو پر فقہی سوالات کے جوابات اور درس حدیث ارشاد فرماتے ہیں، قومی و بین الاقوامی سیمیناروں میں سینکڑوں مقالات پیش اور اخبارات میں بے شمار مضامین سپرد قلم کر چکے ہیں۔

ہماری مراد مصر کے جامعہ الازہر میں تدریب الائمہ کا کورس امتیازی شان سے مکمل کرنے والے، بیک وقت تین مساجد میں جمعہ کے خطابات اور دو جگہ ہفتہ وار درس حدیث دینے والے، ساٹھ سے زائد کتابوں کے مصنف، وفاقی شرعی عدالت کے سابق مشیر، زونل رویت ہلال کمیٹی (پنجاب) کے سابق ممبر، اتحاد بین المسلمین کمیٹی پنجاب کے سابق ممبر، جامعہ نظامیہ رضویہ، جامعہ ہجویریہ اور جامعہ تاجدار مدینہ کے ممتاز مدرس، جماعت اہل سنت کے مرکزی ناظم تعلیم و تبلیغ، عالم اسلام کے ممتاز ادیب، خوبصورت تحریر و تقریر کے مالک، یادگار اسلاف، عاجزی و انکساری کے پیکر، نمود و نمائش سے کوسوں دور، شیخ الحدیث حضرت علامہ مفتی محمد صدیق ہزاروی سے ہے۔

آپ نے نہایت شفقت فرماتے ہوئے "ماہنامہ دلیل راہ" کی ٹیم کو اپنے قیمتی وقت سے نوازا اور ہمارے قارئین کے لئے نہایت سود مند اسباق عطا فرمائے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ آپ نے ہمیں کون کون سی نورانی کرنوں سے مستفید فرمایا ہے۔ (ادارہ)

✿ تاریخ پیدائش اور مقام پیدائش

☆ 15 ستمبر 1947 موضع چھپڑ ھ ڈاک خانہ چٹہ بٹہ تحصیل وضلع مانسہرہ (ہزارہ ڈویژن) صوبہ سرحد

✿ والدین کے متعلق، کیا والد صاحب بھی عالم دین تھے؟

☆ الحمدللہ، والد ماجد مولانا محمد عبداللہ رحمہ اللہ کا تعلق ایک روحانی خاندان سے تھا اور میرے جد امجد کی روحانی نسبت حضرت خواجہ عبدالرحمن چھوہروی علیہ الرحمہ (چھوہر شریف ہری پور ہزارہ) سے نہایت کامل تھی اور میرے والد ماجد علیہ الرحمہ جید عالم دین تھے۔ موضع منڈ ہار میں پیدا ہوئے اور منصب امامت وخطابت موضع چھپڑ ھ میں سنبھالا اور ہم سب بھائیوں کی پیدائش موضع چھپڑ ھ میں ہوئی، جو کشمیر روڈ پر مانسہرہ سے تقریباً بارہ کلومیٹر کے فاصلہ پر سڑک کی دائیں جانب ڈیڑھ دو کلومیٹر دور پہاڑی کے اوپر واقع ہے۔ میں نے اپنے بچپن میں دیکھا کہ گاؤں کی مسجد میں ستر اسّی کے قریب طلباء والد گرامی علیہ الرحمہ سے علم حاصل کرتے تھے۔ جن میں سے اکثر کا تعلق ضلع مظفر آباد سے تھا۔ آج بھی کوئی نہ کوئی عمر رسیدہ عالم دین آپ کا شاگرد موجود ہوگا۔

تحدیث نعمت کے طور پر بتانا ضروری سمجھتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے والد ماجد کی خواہش کو شرف قبولیت عطا فرمایا اس وقت آپ کے بیٹے (مجھ سمیت) اور پوتے بیک وقت نو مساجد میں جمعۃ المبارک کا خطبہ دیتے ہیں۔ آپ کے تین پوتے اور ایک پوتی شہادۃ العالمیہ کر چکے ہیں۔ ایک پوتا شہادۃ العالمیہ کا امتحان دینے والا ہے۔ اس وقت ان کے (میرے والد ماجد علیہ الرحمہ) کے چھ پوتے اور ایک پوتی درس نظامی کی تعلیم حاصل کرنے میں مصروف ہیں، جبکہ راقم کے علاوہ آپ کے دو پوتے اور دو پوتیاں تدریسی خدمات انجام دے رہے ہیں۔ آپ کے پانچ پوتے اور دو پوتیاں حفظ قرآن مجید کی دولت سے مالا مال ہیں، جبکہ آپ کی اولاد کے زیر اہتمام طلباء کا ایک اور طالبات کے دو دینی ادارے علوم دینیہ کا فیض پہنچا رہے ہیں۔ آپ کے پوتے (یعنی میرے بھتیجے) مولانا حافظ عمر فاروق سعیدی جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے چیف آرگنائزر اور تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے صوبائی ناظم اعلیٰ (ناظم صوبہ سرحد) ہیں اور نہایت موقر علمی جریدہ نوید سحر کے چیف ایڈیٹر ہیں، علاوہ ازیں جامعہ اسلامیہ حنفیہ عثمان آباد مانسہرہ کے ناظم اعلیٰ ہیں اور ان کے چھوٹے بھائی مولانا حافظ محمد ضیاء الحق بہترین مدرس تھے اور اعلیٰ پائے کے خطیب ہیں۔

والدہ ماجدہ سے ہمارے والد گرامی کی دوسری شادی تھی اور ہماری والدہ اگرچہ زمیندار گھرانے سے تعلق رکھتی تھیں لیکن اس زمیندار گھرانے پر مذہبی چھاپ بہت گہری تھی۔ اس لئے ہم سب بھائیوں کی دینی تعلیم ان کی سرپرستی میں ہوئی۔ والد ماجد کے وصال کو اب نصف صدی کا عرصہ گزر چکا ہے۔

✿ ابتدائی تعلیم اور تعلیم کے مختلف مراحل

☆ ابتدائی تعلیم اپنے گاؤں کے پرائمری سکول میں حاصل کی، پانچویں جماعت سے مڈل کا امتحان پاس کرنے تک گورنمنٹ مڈل (اب ہائی) سکول عطر شیشہ (کشمیر روڈ پر واقع ہے) میں تعلیم حاصل کی نویں جماعت گورنمنٹ ہائی سکول مانسہرہ میں پڑھی (اس سال نویں کا امتحان پشاور بورڈ کے تحت ہوا تھا) دسویں جماعت گورنمنٹ ہائی سکول نمبر ۲ ایبٹ آباد میں پڑھنے کے بعد پشاور بورڈ سے میٹرک کا امتحان پاس کیا اور بعد کے امتحانات پرائیویٹ طور پر دیئے۔

والد ماجد علیہ الرحمہ اپنی اولاد کو دینی تعلیم دلانے میں خصوصی دلچسپی رکھتے تھے۔ قرآن مجید ناظرہ اور فارسی میں کریما ان سے پڑھا اور ابھی میں دوسری جماعت میں تھا کہ والد ماجد کا انتقال ہوگیا۔ فارسی کی کچھ ابتدائی کتب اپنے بڑے بھائی اور مربی حضرت مولانا عبدالرشید رضوی مدظلہ سے پڑھیں جنہوں نے والد ماجد کے انتقال کے بعد جوانی کے ابتدائی مراحل میں گاؤں کی جامع مسجد میں امامت وخطابت کی ذمہ داری سنبھالی، اگرچہ بوجوہ آج کل خوابیں ناقابل اعتبار ہوگئی ہیں لیکن حقائق کو چھپانا بھی مناسب نہیں۔ 1963 میں جب میں ایبٹ آباد میں میٹرک کا امتحان دے رہا تھا تو والد ماجد علیہ الرحمہ بڑے بھائی کے خواب میں تشریف لائے اور میرے بارے میں فرمایا کہ اسے دینی مدرسہ میں داخل کرادو، چنانچہ اسی صبح قبلہ بھائی صاحب ایبٹ آباد تشریف لائے اور خواب کے حوالے سے والد ماجد علیہ الرحمہ کا حکم سنایا اور ساتھ ہی یہ بھی فرمایا کہ اگر تم کالج میں پڑھنا چاہو تو میں تمہیں کالج میں داخل کرا دیتا ہوں یہ نہ سوچنا کہ بھائی کالج کے اخراجات سے گھبرا رہا ہے لیکن ہمارے والد گرامی کے ذوق کی تکمیل تم سے ہوسکتی ہے۔ دراصل بڑے بھائی کا تعلیمی سلسلہ والد ماجد کے انتقال کی وجہ سے منقطع ہوگیا تھا اور ان سے چھوٹے اور مجھ سے بڑے بھائی مولانا محمد صابر زید مجدہ بوجوہ تعلیمی سلسلہ جاری نہ رکھ سکے، اس لئے اب سب کی نظر اس فقیر پر تھی کہ اس کے ذریعے والد ماجد کی یہ تمنا پوری ہوسکتی ہے۔ میں نے بخوشی اس بات کو قبول کیا اور امتحان کے فوراً بعد جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پور میں

داخل ہوگیا، جو حضرت خواجہ عبدالرحمٰن چھوہروی علیہ الرحمہ نے قائم فرمایا تھا۔64-1963 جامعہ اسلامیہ رحمانیہ ہری پوری میں تعلیم حاصل کی،1965 میں قلعہ دیدار سنگھ ضلع گوجرانوالہ میں استاذ العلماء علامہ محمد شریف ہزاروی مدظلہ سے اکتساب فیض کیا،67-1966 جامع العلوم خانیوال (مرکزی جامع مسجد) سے علوم دینیہ کی تحصیل ہوئی اور 1968 میں معروف دینی درسگاہ جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں داخلہ لیا۔1969 کے آخر میں موقوف علیہ سے فراغت پر دستار بندی ہوئی اور پھر اسی جامعہ میں 1975 میں دورہ حدیث کیا اور الحمدللہ تنظیم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔اس کے ساتھ ساتھ فاضل عربی اور ایف اے کا امتحان (صرف انگلش میں) لاہور بورڈ سے پاس کیا پھر شہادۃ العالمیہ کی بنیاد پر سیاسیات اور فارسی کے ساتھ بی اے کا امتحان پنجاب یونیورسٹی سے پاس کیا۔

❁ آپ کے اساتذہ کرام میں کون کون سے نام شامل ہیں؟

☆ چند اساتذہ کرام کے اسماء گرامی درج ذیل ہیں:

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مہر الدین جماعتی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا سید محمد زبیر شاہ رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا مفتی محمد ریاض الدین رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا حسین الدین ہاشمی زید مجدہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا محمد شریف ہزاروی مدظلہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا قاری محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا نور احمد ریاض مدظلہ ملتان

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا احمد حسین علیہ الرحمہ خانیوال

استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا عبدالمالک لقمانوی مدظلہ ہری پور

❁ زمانہ طالبعلمی میں رویہ کیسا تھا شوق سے پڑھتے تھے یا کہ جی چرا کر؟

☆ کوئی زیادہ شوق نہیں ہوتا تھا واجبی سا تھا اور اس میں کوئی شک نہیں کہ علمی حوالے سے شوق اس پیدا ہوا جب اپنے مربی استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور استاذ العلما حضرت علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری علیہ الرحمہ کی شبانہ روز جدوجہد کا قریب سے مطالعہ کیا۔

❁ زمانہ طالب علمی کا کوئی یادگار واقعہ؟

WWW.NAFSEISLAM.COM

☆ کوئی خاص واقعہ تو یاد نہیں لیکن استادوں کی شفقت کا ایک واقعہ ہے کہ مولانا غلام فرید ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ (گوجرانوالہ) کے پاس خانیوال میں پڑھتا تھا کہ محکمہ انہار کی ایک مسجد میں امامت کے فرائض ادا کرنے کی ڈیوٹی لگی۔استاد محترم نے نیا نیا سائیکل خریدا تھا۔میں وہ سائیکل لے کر نماز پڑھانے چلا جاتا۔ایک مرتبہ عشاء کی نماز پڑھانے جا رہا تھا،راستہ میں دائیں بائیں درخت تھے اور سڑک پر پانی کھڑا تھا، اچانک مخالف سمت سے ایک تیز رفتار بس آگئی اور ایسا محسوس ہوا جیسے اب میں بس کے نیچے چلا جاؤں گا۔میں نے اچانک بریک لگائی۔یوں لگا جیسے میں حادثہ رونما ہو چکا ہے،لیکن اللہ کا خاص فضل کہ میں گرا بھی نہیں۔میں نے استاد محترم کو ڈر کی وجہ سے کچھ نہ بتایا لیکن چند دنوں بعد ہی انہیں کسی ذریعے سے علم ہوگیا تو انہوں نے مجھ سے واقعہ کی تفصیل پوچھی میں نے عرض کیا کہ سائیکل کو کچھ نہیں ہوا تو استاد محترم فرمانے لگے کہ سائیکل کو دفع کرو مجھے تمہاری جان کی فکر ہے۔اس طرح انہوں نے میری ہمت بندھائی۔استادوں کی شفقت کا یہ واقعہ مجھے نہیں بھولتا۔

❁ آج کے طلباء کے لئے کوئی سبق

☆ آج کے طلبا کے لئے یہی سبق ہے کہ دور حاضر کے تقاضوں کو سمجھیں اور اس حوالے سے اسلام دشمن قوتوں کے اسلام کے خلاف پروپیگنڈہ کو سامنے رکھتے ہوئے اس طرح علم حاصل کریں کہ ان کا منہ توڑ جواب دے سکیں اور مسلم معاشرے کے لئے بھی قابل تقلید زندگی کا نمونہ پیش کریں تاکہ معاشرتی بے اعتدالیوں کا قلع قمع ہو سکے۔عربی بول چال،قرآن مجید کی صحیح تلفظ کے ساتھ تلاوت اور اسلام کی تعلیم کے ابلاغ کے لئے انٹرنیشنل زبان انگریزی سیکھیں۔استاد کا احترام اس لئے کریں کہ ان سے علم حاصل کیا ہے،اس عظیم رشتہ کو دنیوی مفاد اور لالچ

کی بھینٹ نہ چڑھائیں۔

❁ بیعت کب اور کس سے ہوئے؟ بیعت کے وقت آپ کی عمر کیا تھی؟

☆ ابتدائی طور پر غالباً 1966 یا 1967ء میں جب خانیوال میں زیر تعلیم تھا تو حضرت غزالی زماں رازی دوراں امام اہل سنت حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی علیہ الرحمہ سے شرف بیعت حاصل کیا جب آپ ایک جلسہ میں خطاب کے لئے خانیوال تشریف لائے۔ بعد ازاں جب لاہور گیا تو دوبارہ آپ کے لاہور تشریف لانے پر تجدید بیعت کی۔ (سال یاد نہیں) بیعت کے وقت میری عمر تقریباً بیس سال تھی۔

❁ مرشد منتخب کرنے کی کوئی خاص وجہ؟

☆ حضرت غزالی زماں علیہ الرحمہ کی شخصیت میں وہ تمام صفات بدرجۂ اتم موجود تھیں جو ایک کامل مرشد میں ہونا ضروری ہے۔ علم، تقویٰ، نسبی شرافت، خاندانی نجابت، شفقت و رحمت وغیرہ۔ علاوہ ازیں اس وقت خانیوال میں جس عظیم شخصیت کی تربیت اور سرپرستی حاصل تھی اور ان سے شرف تلمذ حاصل تھا یعنی استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی علیہ الرحمہ ان کی روحانی نسبت بھی حضرت غزالی زماں علیہ الرحمہ سے تھی، تو ان وجوہ کی بنیاد پر آپ کا انتخاب یقیناً روشن مقدر کی علامت تھی اور بعد کے حالات نے اس فیصلہ پر مہر تصدیق ثبت کر دی۔

❁ مرید پر شیخ کے حقوق کیا ہوتے ہیں اور شیخ پر مرید کے کیا حقوق ہوتے ہیں؟

☆ دراصل مرید اپنے شیخ کے ہاتھوں بک چکا ہوتا ہے۔ بیعت کا لفظ "بیع" سے بنا ہے یعنی فروخت ہو جانا اور چونکہ مرشد "صبغۃ اللہ" (اللہ کا رنگ) کا واسطہ ہوتا ہے اس لئے مرشد کی اطاعت درحقیقت اللہ تعالیٰ اور رسول ﷺ کی اطاعت ہوتی ہے، اس لئے مرشد کی محبت، اطاعت اور ادب و احترام مرید پر لازم ہوتا ہے لیکن اس کے لئے ضروری ہے کہ کسی اللہ والے کو مرشد بنایا جائے اور مرشد کے ذمہ مرید کے حقوق یہ ہیں کہ وہ اس کی دینی، علمی اور عملی راہنمائی کرے اور اسے "صبغۃ اللہ" (اللہ کے رنگ) میں رنگ دے اور صحیح مسلمان بنا دے۔

❁ مرشد میں کیا کیا صفات ہونی چاہئے؟

☆ اعلیٰ حضرت عظیم البرکت حضرت امام شاہ احمد رضا خان فاضل بریلی رحمۃ اللہ علیہ اور صدر الشریعہ حضرت مولانا محمد امجد علی اعظمی (صاحب بہار شریعت) علیہ الرحمہ نے فرمایا کہ مرشد میں چار صفات کا پایا جانا لازمی ہے:

۱۔ صحیح العقیدہ سنی ہو

۲۔ کم از کم اتنی عربی جانتا ہو کہ فقہی کتب سے مسائل نکال سکتا ہو۔

۳۔ اس کا روحانی سلسلہ رسول اکرم ﷺ تک پہنچتا ہو۔

۴۔ فاسق معلن نہ ہو مثلاً داڑھی منڈا اور ظاہر اً بد عمل شخص مرشد نہیں بن سکتا۔ اسی طرح کوئی بدعقیدہ اور گستاخ رسول یا گستاخان رسول کو اپنا بزرگ ماننے والا مرشد نہیں ہو سکتا۔

❁ امام اہل سنت غزالی زماں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ جماعت اہل سنت کے بانی تھے اس حوالے سے آپ کچھ کہنا پسند فرمائیں گے؟

☆ امام اہل سنت غزالی زماں رازی دوراں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی رحمۃ اللہ علیہ وہ عظیم شخصیت ہیں جن کے دل میں اللہ تعالیٰ نے اہل سنت کی تنظیم اور اتحاد کا درد کوٹ کوٹ کر بھرا تھا۔ 1948ء میں آپ نے سیاسی حوالے سے اہل سنت کو جمعیت علماء پاکستان کے فورم پر اکٹھا کیا۔ غالباً 1962ء میں حضرت علامہ غلام جہانیاں، حضرت علامہ مفتی محمد حسین نعیمی علیہم الرحمہ اور دیگر علماء کے ساتھ مدارس اسلامیہ کو منظم کیا۔ 1974ء میں اسی تنظیم کی نشاۃ ثانیہ تنظیم المدارس (اہل سنت) پاکستان کے نام سے ہوئی اور آپ اس کے پہلے صدر منتخب ہوئے۔ اسی طرح مذہبی حوالے سے اہل سنت کو جماعت اہل سنت کے پلیٹ فارم پر اکٹھا کرنا آپ کا زریں کارنامہ ہے جو تا قیامت یاد رکھا جائے گا۔ آپ نے پیرانہ سالی اور علالت کے باوجود اہل سنت کے اتحاد و اتفاق کے لئے شبانہ روز جدوجہد کی اور آج الحمد للہ آپ کے جانشین اور لخت جگر حضرت علامہ پروفیسر صاحبزادہ سید مظہر سعید کاظمی مدظلہ، جماعت اہل سنت کے مرکزی امیر ہیں۔ جگر گوشہ غزالی زماں حضرت صاحبزادہ سید حامد سعید کاظمی سیاسی میدان میں اہل سنت کی نمائندگی اور قیادت کا فریضہ انجام دے رہے ہیں اور آپ کے علمی جانشین حضرت صاحبزادہ سید ارشد سعید کاظمی تنظیم المدارس کے سینئر نائب صدر کی حیثیت سے آپ کی امانتوں کی حفاظت کر رہے ہیں۔

❁ دینی کام کرنے میں کیسی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا؟ اور ان سے کیسے نبٹے؟

☆ الحمد للہ۔ دینی کاموں کے سلسلے میں رکاوٹ نہیں آئی۔ کیونکہ عام طور پر رکاوٹیں دینی اداروں کے سربراہوں یا دینی تنظیموں کی قیادت کو

WWW.NAFSEISLAM.COM

پیش آتی ہیں، میں نے ہمیشہ ورکر کی حیثیت سے کام کیا البتہ بعض بے اصول لوگوں کی وجہ سے رکاوٹیں پیدا ہوتی ہیں لیکن اللہ تعالیٰ کی ذات پر توکل سے کام آسان ہو جاتا ہے۔

❁ دینی کارکن کو پیش آمدہ رکاوٹوں کے موقع پر کیا کرنا چاہئے؟

☆ ایسے موقع پر دانائی، حکمت، توکل علی اللہ ایسے اسلحہ کی ضرورت ہوتی ہے، علاوہ ازیں برداشت اور صبر وتحمل کے ساتھ اپنی منزل کی طرف رواں دواں رہنے سے راستے خود بخود کھلتے جاتے ہیں۔

❁ دینی مخلص کارکن کے لئے کوئی سبق؟

☆ دینی مخلص کارکنوں کو حالات سے گھبرا کر اپنے مشن سے کنارہ کش نہیں ہونا چاہئے اور اس بات کو پلے باندھنا چاہئے کہ رات کی تاریکی بالآخر صبح کے اجالے میں بدلتی ہے۔ ہر ادارے اور ہر تنظیم میں ایسے لوگ ہوتے ہیں جو اپنی مخصوص سوچ اور عمل کے ذریعے مخلص کارکنوں کے راستے میں کانٹوں کی طرح ہوتے ہیں لیکن سمجھدار آدمی کانٹوں سے الجھنے کی بجائے ان سے اپنے دامن کو بچاتے ہوئے پھولوں تک پہنچ جاتا ہے۔ کانٹوں سے الجھنے والا راستے میں دم توڑ جاتا ہے اور اگر ہمت کر لی جائے تو کانٹے منہ تکتے رہ جاتے ہیں۔

❁ اہل سنت وجماعت کون لوگ ہیں ان کی کیا خصوصیات ہیں؟ آج کل بہت سے فرقے اپنے آپ کو اہل سنت کہتے ہیں پہچان کیسے ہو؟

☆ اہل سنت وجماعت اپنی خصوصیات سے پہچانے جاتے ہیں اور یوں جعلی لوگوں کی پہچان آسان ہو جاتی ہے۔ اجمالی اور جامع جواب یہ ہے کہ ہر وہ کلمہ گو جو دین سے یوں وابستگی اختیار کرے کہ اس کے اعمال کی عمارت محبت رسول ﷺ، احترام صحابہ کرام واہل بیت اور صلحاء امت یعنی اولیاء کرام سے کامل وابستگی کی بنیادوں پر قائم ہو اور بقول علامہ اقبال:

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر با او نہ رسیدی تمام بو لہبی است

ذکر رسول اس کی جان ایمان ہو اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کی ادائیگی اس کی پہچان ہو۔

❁ اتحاد بین المسلمین کا حقیقی تصور کیا ہے؟

☆ اتحاد بین المسلمین کا تصور یہ ہے کہ جو مسائل متفق علیہ ہوں ان کی تبلیغ عام ہو اور اختلافی مسائل میں اپنے صحیح موقف پر قائم رہتے ہوئے بڑی برائی کے خلاف اشتراک عمل اور اتحاد کی فضا قائم کی جائے۔ اپنے مسلک حق کا سودا کر کے اتحاد، ایمانی روحانی موت ہے۔ ملی اور قومی مسائل کے حوالے سے میدان خالی کر کے دوسروں کے حوالے کر دینا دانشمندی نہیں ہے ورنہ نہ تو قوم معاف کرے گی اور نہ تاریخ۔

❁ فرقہ واریت پر کیسے قابو پایا جا سکتا ہے؟

☆ فرقہ واریت پر قابو پانے کی چند صورتیں ہیں:

ا۔ خطابات میں علمی عنصر کا پایا جانا

۲۔ اپنے مسلک کو گولی کے ذریعے منوانے کا کلچر ختم کرنا

۳۔ دولت کے حصول کے لئے تقاریر کی حوصلہ شکنی

۴۔ مبلغین اور خطباء کا جاہل عوام کی رضا جوئی کی بجائے تبلیغ دین کو اپنا مشن بنانا۔

۵۔ تمام مکاتب فکر کے جید علماء کا متفق علیہ اور اختلافی مسائل کی نشاندہی کر کے اپنے اپنے مسلک کے لوگوں کو ضابطۂ اخلاق کا پابند کرنا۔

❁ مختلف جہادی تنظیموں کے فلسفۂ جہاد سے اختلاف ہے یا اتفاق؟

☆ اسلام میں ''جہاد فی سبیل اللہ'' کا تصور دیا گیا ہے اور جہاد فی سبیل اللہ کے بارے میں سوال پر رسول اللہ ﷺ نے واضح فرمایا کہ جہاد فی سبیل اللہ کا مقصد کلمۂ حق کو بلند کرنا ہے جہاد کا مقصد فرقہ پرستی یا ملکی امن وامان کو تباہ کرنا ہو تو یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں، اس سلسلے میں حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ جہاد فی سبیل اللہ کو پروان چڑھائے اس سے جہادی تنظیموں کی اصلاح ممکن ہو سکے گی ورنہ انتشار بڑھتا جائے گا۔

❁ سیاسی طور پر اہل سنت کی موجودہ حالت کیسے سدھر سکتی ہے؟

☆ جماعتی مفاد کو شخصی مفاد پر ترجیح دی جائے، قائدین اپنی فکر اور سوچ سے کام لیں، حاشیہ نشینی کی حوصلہ شکنی کی جائے، خواہشات کی قربانی دے کر کارکن بننے پر فخر کیا جائے تو انشاء اللہ حالات بہتر ہوں گے۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

✿ کیا آپ نے عملی طور پر سیاست میں حصہ لیا؟ اگر نہیں تو کیوں؟ کیا سیاست کے میدان میں علماء اور مذہبی طبقہ کو آنا چاہیئے، اگر ہاں تو کیسے؟

☆ جی نہیں! کیونکہ میرے نزدیک تقسیم کار ضروری ہے۔ ہماری ناکامی کی بنیادی وجہ یہی ہے کہ تقسیم کار نہیں، میری زندگی تعلیم و تعلم، تدریس و تصنیف و تالیف میں گزری اس لئے عملی سیاست میں حصہ لینے کے لئے وقت میں گنجائش نہیں۔ علاوہ ازیں مزاج بھی سیاسی نہیں، اگر اہلسنت کے ارباب فکر اور قائدین ہر شخص کے لئے اس کے ذوق اور صلاحیت کے مطابق میدان عمل کا انتخاب کریں تو بہتر نتائج نکلیں گے۔ یقیناً علماء اور مذہبی طبقہ کو سیاسی میدان میں آنا چاہیئے لیکن جس طرح میں نے عرض کیا دیگر علمی، فکری، روحانی میدانوں کا بھی خیال رکھا جائے، البتہ نظام مصطفےٰ ﷺ کے سلسلے میں ذہن سازی ہر عالم کا فرض ہے تاکہ فکری انقلاب آئے اور ایسے لوگ قانون ساز اسمبلی میں پہنچیں جو دین اسلام سے مخلص ہوں۔

✿ لاہور میں کب، کیوں اور کیسے آئے؟

☆ 1967ء میں خانیوال میں زیر تعلیم تھا اور اسباق موقوف علیہ تک پہنچ چکے تھے لیکن جامعہ (جامع العلوم مرکزی جامع مسجد خانیوال) میں اس درجہ کی نصابی کتب نہ تھیں اور بار بار توجہ دلانے کے باوجود جامعہ کی انتظامیہ اس طرف متوجہ نہ ہوئی تو اپنے استاذ گرامی استاذ العلماء حضرت علامہ مولانا غلام فرید ہزاروی علیہ الرحمہ (سابق ایم پی اے پنجاب اسمبلی) سے کسی دوسرے ادارے میں منتقل ہونے کی اجازت طلب کی اور اس مجبوری کی بنیاد پر انہوں نے اجازت مرحمت فرمائی، چنانچہ میں نے لاہور کے دو بڑے اداروں ''جامعہ نظامیہ رضویہ'' اور ''جامعہ نعیمیہ'' میں داخلہ کے لئے ان اداروں کے سربراہان کو خطوط بھیجے۔ اتفاق سے جامعہ نظامیہ رضویہ کی طرف سے جواب جلد موصول ہو گیا۔ ہمارے دادا استاذ نے شیخ الحدیث حضرت علامہ غلام رسول رضوی رحمۃ اللہ علیہ جو جامعہ نظامیہ رضویہ کے بانی بھی تھے اور حضرت محدث اعظم پاکستان علامہ محمد سردار احمد رحمۃ اللہ علیہ کے وصال کی وجہ سے جامعہ رضویہ فیصل آباد تشریف لے گئے تھے۔ ان دنوں جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور منتقل ہوگئے تھے اور حضرت استاذ العلماء مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ جو آپ کے تلمیذ رشید اور اس وقت جامعہ نظامیہ رضویہ کے مہتمم تھے، نے اہتمام و انصرام اور جامعہ سے متصل مسجد کی امامت و خطابت بھی اپنے استاذ گرامی کے حوالے کر دی چنانچہ مجھے داخلہ کی اجازت کا خط حضرت علامہ غلام رسول رحمۃ اللہ علیہ نے لکھا (کچھ دنوں بعد آپ واپس فیصل آباد تشریف لے گئے تھے)۔

✿ جامعہ نظامیہ آپ کے سامنے معرض وجود میں آیا اس کی تاریخ کے متعلق کچھ ارشاد فرمائیں۔ ان دنوں کی یادیں؟

☆ الحمدللہ اس ناچیز کے ۳۹ سال جامعہ نظامیہ رضویہ میں نہ صرف گزرے بلکہ جس قدر ممکن ہوا بھرپور خدمات انجام دینے کا شرف بھی حاصل رہا۔ 1968ء میں جامعہ نظامیہ رضویہ میں داخلہ لیا اور 1969ء میں درس نظامی (موقوف علیہ) سے فراغت پر دستار بندی ہوئی، اس وقت میں کنک منڈی مزنگ کی مسجد میں امامت و خطابت کے فرائض انجام دے رہا تھا۔ سالانہ جلسہ دستار فضیلت کے موقع پر جامعہ نظامیہ رضویہ کے ناظم دفتر حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی کے بڑے بھائی کا انتقال ہوگیا، چنانچہ خاندانی ذمہ داریوں کی وجہ سے وہ وقتی طور پر جامعہ سے کنارہ کش ہوگئے۔ اس لئے حضرت استاذ محترم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ نے مجھے مسجد سے استعفیٰ دے کر جامعہ میں آنے کا حکم فرمایا اور جامعہ کے دفتری امور اور جامع مسجد خراسیاں میں امامت و خطابت کی عارضی ذمہ داری سونپ دی اور ساتھ ہی فرمایا کہ جب جامعہ نظامیہ رضویہ میں دورہ حدیث کا آغاز ہوگا تو یہاں دورہ پڑھ لینا جب کہ میرے دیگر ساتھی جن میں حضرت علامہ مولانا عبدالتواب صدیقی بھی شامل ہیں۔ دورہ حدیث کے لئے مختلف مدارس میں چلے گئے۔

دوسرے سال جب مولانا غلام فرید ہزاروی واپس آگئے تو مجھے تدریس کی ذمہ داری سونپ دی گئی اور 1975ء میں جب جامعہ میں دورۂ حدیث شروع ہوا تو میں نے دورہ کیا اور الحمدللہ تنظیم المدارس کے امتحان میں ملک بھر میں پہلی پوزیشن حاصل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ محکمہ اوقاف میں میری تقرری ہوگئی اور جامع مسجد خراسیاں میں خطابت اور امامت کی مستقل ذمہ داری سنبھال لی۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ بڑے بڑے اسباق پڑھاتے اور اس کے ساتھ ساتھ عمارت کے لئے نقشہ کی منظوری اور جامعہ کے اخراجات کے لئے فنڈز کی فراہمی کے لئے جدوجہد بھی فرماتے تھے۔ اس لئے ضروری تھا کہ جامعہ کے اندرونی معاملات سے آپ کو اطمینان حاصل ہو، لہٰذا دارالاقامہ کی ذمہ داری حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی نے سنبھالی اور تعلیمی نظام کے حوالے سے راقم نے اپنا کردار ادا کیا۔ چنانچہ حضرت مفتی صاحب علیہ الرحمہ کے بھرپور اعتماد نے ناچیز کے جذبہ محنت کو دوچند کر دیا اور یوں میں نے امتحانی نظام قائم کیا اور لائبریری قائم کی اس وقت تک چند درسی کتب تھیں جو جامعہ کے دفتر میں ایک الماری میں رکھی گئی تھیں۔ جامعہ کے متصل محلّہ خراسیاں کے چند نوجوانوں نے انجمن احیاء الاسلام کے نام سے ایک تنظیم قائم کر رکھی تھی جس کے تحت ایک پبلک لائبریری بنائی گئی، بوجوہ انجمن قائم نہ رہ سکی اور لائبریری کی کتب جامعہ کو مل گئیں، تو میں

نے اس کمرے میں جہاں بعد میں مکتبہ قادریہ بنایا گیا لائبریری بنائی اور جناب پروفیسر شاہ فرید الحق سے اس کا افتتاح کروایا۔ بعد میں لائبریری مختلف کمروں میں منتقل ہوتی رہی۔ الحمدللہ اس کے آغاز اور روز افزوں ترقی کا اعزاز اس ناچیز کو حاصل ہوا۔1976ء میں تنظیم المدارس کے دفتر کا مکمل نظام بھی راقم کی ذمہ داری میں دے دیا گیا۔ الحمدللہ! راقم نے کسی لالچ کے بغیر یہ تمام ذمہ داریاں نہایت دیانت داری سے نبھائیں۔ اس کے ساتھ ہی جامعہ میں طلباء کی بزم ''بزم رضا'' کو فروغ دیا، انجمن اتحاد الطلباء، المدارس العربیہ قائم کی اور جامعہ میں انجمن طلباء اسلام کی شاخ قائم کی۔

اس وقت حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ کی نئی عمارت کی تعمیر کے لئے جدوجہد جاری رکھے ہوئے تھے، چونکہ جامعہ کے اندر کارپوریشن کا پرائمری سکول قائم تھا جو نقشہ کی منظوری میں رکاوٹ تھا۔ آپ نے بڑی حکمت عملی کے ساتھ اس مسئلہ کو حل کیا اور نقشہ کی منظوری حاصل کی۔ علاوہ ازیں محلے کے چند بدقماش لوگوں نے جامعہ کے ایک حصے پر قبضہ قائم کر رکھا تھا اور وہ لوگ اس وقت کی برسر اقتدار پارٹی کے کارکن تھے، چنانچہ وہ لوگ جامعہ کی تعمیر میں رکاوٹ تھے۔ حضرت استاذ مکرم کو بڑی جدوجہد کرنا پڑی۔ جس پامردی سے آپ نے ان کا مقابلہ کیا یہ آپ ہی کا حصہ تھا۔ اس وقت آپ کے جن شاگردوں نے صبح شام آپ کے دست و بازو بن کر کام کیا اور بدمعاشی اور غنڈہ گردی کا نشانہ بنتے رہے، ان میں ایک حضرت مولانا غلام فرید ہزاروی اور دوسرا راقم تھا جو چوبیس گھنٹے مشکلات سے دوچار رہتے۔ البتہ دن کے وقت حضرت مولانا عبدالتواب صدیقی بھی اس سفر میں شریک رہتے باقی سب لوگ بعد میں آئے ہیں۔

جامعہ نظامیہ کی تاریخ جدوجہد، محنت اور اخلاص ایسے خصائل سے بھرپور ہے۔ حضرت مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ جامعہ نے کی ترقی میں بھرپور کردار ادا کیا دن دیکھا نہ رات، بارش دیکھی نہ دھوپ، بلکہ آپ نے اپنی زندگی سے سکون اور آرام نام کی ہر چیز کو خارج کر دیا۔

الحمدللہ آپ کی اسی محنت کے نتیجے میں نہ صرف لاہور میں جامعہ کی عالیشان عمارت کھڑی ہوگئی بلکہ شیخوپورہ میں کئی فلک پوش عمارتیں اس مرد مجاہد کی دین دوستی، علم پروری اور اخلاص کا منہ بولتا ثبوت ہیں۔

جب راقم نے لائبریری کی ذمہ داریاں سنبھالیں تو نظامت تعلیم سے اور اس کے بعد لائبریری کی خدمات سے دستبردار ہوگیا کیونکہ اب تدریس اور تنظیم کی اہم ذمہ داریوں کی وجہ سے ضروری ہوگیا تھا کہ یہ کام دوسرے حضرات کے سپرد کر دیا جائے۔

✿ حال ہی میں آپ نے جامعہ نظامیہ میں تدریس چھوڑی ہے اس کی کوئی خاص وجہ؟

☆ اس کی دو وجہیں ہیں ایک تو قضاء و قدر کا فیصلہ اور دوسری وجہ راقم کی اصول پسندی اور حساس طبیعت۔ (اتنا ہی کافی ہے)

✿ آپ کی نظر میں دور حاضر کا بے مثل عالم دین کون؟

☆ ہر وہ عالم دین جو اپنے شعبے (تدریس، تصنیف، تبلیغ وغیرہ) میں اخلاص، دیانت، انتھک محنت اور عصری تقاضوں کے مطابق مصروف عمل ہو۔

✿ زندگی میں کون کون سے سیاسی ادوار یا حکومتیں دیکھیں؟

☆ سن شعور کو پہنچا تو ایوب خان کی حکومت تھی اس کے بعد کی تمام حکومتوں کو دیکھا۔

✿ زندگی میں کون کون سی یادگار تحریکیں دیکھیں اور کن کن میں حصہ لیا؟

☆ دو یادگار تحریکیں دیکھی ہیں تحریک ختم نبوت 1974 اور تحریک نظام مصطفی 1977ء، تحریک ختم نبوت میں، میں اپنے علاقہ لوہاری منڈی لاہور میں مجلس تحفظ ختم نبوت کا صدر تھا۔ جلسوں جلوسوں میں شرکت کی حد تک حصہ لیا کوئی قابل ذکر بات نہیں کیونکہ دور طالبعلمی اور پھر تدریسی تنظیمی مصروفیات کی طرف توجہ تھی۔ سوشلسٹ لیڈر بھاشانی کے خلاف لاہور میں علماء اہل سنت نے جلوس نکالا تو ہم نے انجمن اتحاد طلبا مدارس عربیہ کے تحت بھرپور شرکت کی اور میں اس تنظیم کا سیکرٹری جنرل تھا۔ مفتی اعظم پاکستان حضرت علامہ ابوالبرکات سید احمد رحمۃ اللہ علیہ نے خاص طور پر مجھے بلایا اور دس روپے انعام دیا۔

✿ آپ کی ازدواجی زندگی؟ شادی کب، اولاد کتنی؟

☆ 1974ء میں شادی ہوئی چار بیٹیاں اور تین بیٹے ہیں

✿ کیا بچے دینی علم حاصل کر رہے ہیں؟

☆ الحمدللہ بڑا بیٹا دورہ حدیث میں ہے۔ ایف اے اور فاضل عربی کر چکا ہے خطابت کے فرائض بھی انجام دے رہا ہے۔ دوسرا بیٹا بھی درس نظامی پڑھ رہا ہے اور تیسرا بیٹا نویں جماعت کا طالب علم ہے۔

✿ اکثر علماء کے بچے علم دین کی طرف نہیں آتے ہیں اس کی کیا وجہ ہے؟

WWW.NAFSEISLAM.COM

☆ اس کی کئی وجوہ ہیں ماں باپ کا ناجائز لاڈ پیار، نادان دوستوں کی مہربانیاں کہ علماء کی اولاد کو صاحبزادگی کے منصب پر بٹھا دیتے ہیں اور بعض اوقات ماحول اثر انداز ہوتا ہے۔

۞ آپ کا پسندیدہ شاعر اور پسندیدہ شعر؟

☆ میرا پسندیدہ شاعر، اعلیٰ حضرت امام احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمۃ اللہ علیہ اور علامہ اقبال ہیں اور پسندیدہ شعر کا تعین مشکل ہے البتہ اعلیٰ حضرت کا یہ شعر بہت پسند ہے

پیش نظر وہ نو بہار سجدے کو دل ہے بے قرار
روکئے سر کو روکئے ہاں یہی وقت امتحان ہے

اس شعر میں محبت رسول اور شریعت کی پاسداری کا حسین امتزاج ہے اور مخالفین امام اہل سنت کے مکروہ پروپیگنڈہ کے تار و پود بکھرتے ہوئے نظر آتے ہیں۔

۞ اساتذہ میں کسی سے متاثر؟

☆ شاگرد کے لئے تمام اساتذہ مشعل راہ ہوتے ہیں البتہ جہد مسلسل اور جذبہ خدمت دین کے حوالے سے استاذ گرامی استاذ العلماء حضرت مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی اور استاذ محترم استاذ العلماء علامہ محمد عبدالحکیم شرف قادری رحمۃ اللہ علیہ سے زیادہ متاثر ہوں۔

۞ محبت کیا ہے؟

☆ اخلاص کو محبت کا نام دیا جائے تو زیادہ مناسب ہے کیونکہ محبت محبوب کے لئے سب کچھ فنا کر دینے کا نام ہے جو اخلاص کے بغیر ممکن نہیں۔

۞ آپ کے نزدیک ''زندگی'' کی تعریف؟

☆ پیدائش اور موت کے درمیان وہ وقت جو ابدی زندگی کی راہیں کھول دے

۞ زندگی کا وہ حصہ جسے آواز دینے کو جی چاہے؟

☆ بچپن کا دور جب کسی بات کی پریشانی نہ ہوتی تھی۔

۞ زندگی میں کسی چیز کی کمی محسوس کرتے ہیں؟

☆ دنیوی اعتبار سے اللہ تعالیٰ کا فضل و کرم ہے۔ اخروی فکر کی کمی محسوس کرتا ہوں۔

۞ پسندیدہ موسم؟

☆ موسم سرما جس کی طویل راتوں میں تصنیف و تالیف کے لئے کافی وقت مل جاتا ہے۔

۞ چوبیس گھنٹوں میں کون سا وقت اچھا لگتا ہے؟

☆ صبح کا وقت اچھا لگتا ہے جب نئی زندگی ملتی ہے۔

۞ زندگی کا خوبصورت ترین دن؟

☆ 1986ء کا وہ دن جب صبح ناشتہ کے وقت سے رات عشاء کے بعد تک پورا دن اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضری کا موقع ملا۔

۞ قیام پاکستان کے بعد پاکستان میں کون سا دور حکومت اچھا تھا؟

☆ ہر پہلا دور بعد والے دور سے بہتر تھا، نظام مصطفےٰ کے حوالے سے کوئی دور بھی بہتر نہیں رہا۔

۞ بار بار سمجھانے پر بھی اگر کوئی نہ مانے یا سمجھے تو کیا کرتے ہیں؟

☆ کوشش جاری رکھی جائے اور انداز بدل لیا جائے کیونکہ کوشش کبھی رائیگاں نہیں جاتی۔

۞ بادل، بارش یا دھوپ کیا اچھا لگتا ہے؟

☆ سردیوں میں دھوپ اور گرمیوں میں بادل اور بارش

۞ بیرون ملک جانے کا اتفاق ہوا؟

☆ الحمدللہ! بیرون ملک دو مقدس سفر کئے پہلا سفر 1994ء میں حرمین طیبین کا اور دوسرا سفر 2004ء میں مصر کا جہاں جامعہ ازہر میں تدریب الائمہ کورس میں شریک ہوا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

۞ دیہات اچھے لگتے ہیں یا شہر؟
☆ اپنے اپنے حوالے سے دونوں اچھے لگتے ہیں بہر حال وسائل مہیا ہوں تو دیہات کے پرفضا ماحول کا کیا کہنا۔
۞ پہاڑ، ریگستان یا جنگل کیا اچھا لگتا ہے؟
☆ کبھی تجربہ نہیں ہوا
۞ چاندنی کیسی لگتی ہے؟
☆ چاندنی بہت اچھی لگتی ہے۔
۞ کامیابی کے لئے کس بات پر یقین رکھتے ہیں؟
☆ جدوجہد کے ساتھ ساتھ بزرگوں کی دعا۔
۞ زندگی میں کبھی کسی ناکامی کا بھی سامنا کرنا پڑا؟
☆ الحمدللہ! کبھی ناکامی کا سامنا نہیں ہوا۔ بعض اوقات ظاہری ناکامی ہوتی ہے لیکن میرے نزدیک ناکامی اپنے مشن سے پھر جانے کا نام ہے
۞ قبولیتِ دعا کا وقت ہو تو اللہ سے کیا مانگیں گے؟
☆ حرمین طیبین کی حاضری، اولاد کی صالحیت اور خاتمہ بالا یمان
۞ آپ کا پسندیدہ لباس؟
☆ سفید رنگ کی قمیص اور شلوار۔ اگر چہ مجبوراً بعض اوقات دوسرے رنگ کا لباس بھی پہن لیتا ہوں لیکن جمعۃ المبارک اور عیدین کے لئے سفید لباس پہننا لازم کر رکھا ہے۔
۞ آپ کی پہلی تصنیف؟
☆ ''تعارف علماء اہل سنت'' جو تنظیم المدارس کے امتحان درجہ عالیہ کے لیئے لکھا گیا مقالہ تھا۔
۞ آپ کی سب سے پہلی تقریر؟
☆ سکول کے زمانے میں تقریر نہیں کی، جامعہ رحمانیہ ہری پور میں داخلہ کے بعد بزم میں سب سے پہلی تقریر کی تھی۔
۞ آپ کا سب سے پہلا شاگرد؟
☆ فراغت کے بعد جامعہ نظامیہ رضویہ میں تدریس شروع کی تو صرف کی کلاس میں کئی طلبا تھے کسی ایک کا تعین نہیں کیا جاسکتا۔
۞ ادارہ جس میں آپ نے سب سے پہلے تدریس شروع کی؟
☆ سب سے پہلے جامعہ نظامیہ رضویہ لاہور میں تدریس شروع کی۔
۞ آپ نے احیاء العلوم کا ترجمہ کیا غزالی کے بارے میں اس کتاب کی روشنی میں آپ کیا کہنا چاہیں گے؟
☆ حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ واقعی علم کا سمندر اور تقوی کا صحیح نمونہ تھے۔ ان کی تحریر قاری کی زندگی میں انقلاب پیدا کرتی ہے۔
۞ علمی اور ادبی حوالے سے آج کل آپ کن موضوع پر لکھ رہے ہیں؟
☆ الحمدللہ! مجھے حدیث اور تصوف کی کتب کے تراجم کا شرف حاصل ہے۔ حال ہی میں سنن ابی داؤد اور رسالہ قشیریہ کا ترجمہ مکمل کیا ہے۔
۞ آپ کی مطبوعہ تصانیف کی تعداد کتنی ہے اور ان کے نام کیا کیا ہیں؟
☆ ساٹھ کے لگ بھگ ہے۔

۱۔ ترجمہ جامع ترمذی (دوجلد)
۲۔ ترجمہ شرح معانی الآثار (چار جلد)
۳۔ ترجمہ صحیح مسلم شریف (تین جلد)
۴۔ ترجمہ سنن ابی داؤد (تین جلد)
۵۔ ترجمہ سنن دارمی (دوجلد)
۶۔ ترجمہ ریاض الصالحین (دوجلد)
۷۔ ترجمہ کتاب الآثار (ایک جلد)

۸۔ ترجمہ مسند اسحاق بن راھویہ (ایک جلد)
۹۔ ترجمہ غنیۃ الطالبین (ایک جلد)
۱۰۔ ترجمہ احیاء العلوم (چار جلد)
۱۱۔ ترجمہ المواہب اللدنیہ (تین جلد)
۱۲۔ ترجمہ الکبائر (ایک جلد)
۱۳۔ ترجمہ رسالہ قشیریہ (ایک جلد)
۱۴۔ ترجمہ تنبیہ المغترین (ایک جلد)
۱۵۔ ترجمہ جلاء الافہام (ایک جلد)

(درسی کتب)

۱۶۔ نور الایضاح ترجمہ وحاشیہ
۱۷۔ تفہیم البلاغۃ (ترجمہ دروس البلاغۃ)
۱۸۔ تفہیم النحو (ترجمہ ہدایۃ النحو)
۱۹۔ اصول الشاشی (سوالاً جواباً)
۲۰۔ تفہیم البیضاوی (سوالاً جواباً)
۲۱۔ مراح الارواح (سوالاً جواباً)
۲۲۔ علم النحو
۲۳۔ تلخیص اصول الشاشی
۲۴۔ صرف بہترال (ترجمہ وترتیب)
۲۵۔ خلاصہ الھدایہ (جلد چہارم)
۲۶۔ انتخاب جلالین ومشکوٰۃ ترجمہ
۲۷۔ حسامی سوالاً جواباً
۲۸۔ اربعین نووی ترجمہ وحاشیہ

دیگر کتب

۲۹۔ شمائل ترمذی ترجمہ
۳۰۔ حصن حصین ترجمہ
۳۱۔ کنز الایمان تفاسیر کی روشنی میں
۳۲۔ سجدہ تعظیمی تحقیق رسالہ اعلیٰ حضرت
۳۳۔ سنت وبدعت
۳۴۔ حضرت پیر مہر علی شاہ اور رد قادیانیت
۳۵۔ اعضاء کی پیوندکاری
۳۶۔ عقائد وعبادات بچوں کے لئے
۳۷۔ تعلیم نماز اردو، انگریزی
۳۸۔ خطبات ومقالات
۳۹۔ فرض نماز کے بعد دعا
۴۰۔ قبر پر اجتماعی قرآن خوانی (ترجمہ)
۴۱۔ قرآن سے علاج

Nafse Islam
نفس اسلام
WWW.NAFSEISLAM.COM

۴۲۔ علمی نشری تقریریں
۴۳۔ مجموعہ رسائل
۴۴۔ قربانی تین دن
۴۵۔ توسل کی شرعی حیثیت
۴۶۔ قربانی
۴۷۔ تحقیق طلاق
۴۸۔ تجہیز و تکفین اردو ، انگریزی
۴۹۔ تحقیق حلالہ
۵۰۔ تقسیم وراثت
۵۱۔ مقدمۃ المسیرات (عربی)
۵۲۔ مقدمۃ المناظرہ (درسی)
۵۳۔ سیرت کوئز (حصہ اول)
۵۴۔ بابرکت راتیں
۵۵۔ مضامین ماہ رمضان
۵۶۔ تعارف علماء اہل سنت
۵۷۔ دو نامور مجاہد (علامہ شاہ احمد نورانی اور علامہ عبدالستار خان نیازی)
۵۸۔ رسول اکرم ﷺ کی وصیتیں (گنبد خضریٰ کے سائے تلے لکھی گئی کتاب)
۵۹۔ میلاد النبی اور علماء عرب
۶۰۔ دلوں کو موم کرنے والی باتیں
۶۱۔ عرفان القرآن (قرآن بزبان قرآن)
۶۲۔ تعلیقات رضا
۶۳۔ مقالات تعارف (تعارف جامعہ نظامیہ رضویہ)
۶۴۔ حضرت امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ (عربی غیر مطبوعہ)
۶۵۔ مصطفوی انقلاب کے روحانی وسائل

ان کے علاوہ بہت سے سیمینارز وریڈیو اور ٹی وی پر پڑھے گئے مقالات و مضامین شامل ہیں

❁ کیا آپ اپنی تصانیف میں غیر مطبوعہ مسودات کی تفصیل بتانا پسند فرمائیں گے؟

☆ الحمد للہ جو کچھ لکھا وہ زیور طبع سے آراستہ ہوا۔ حضرت امام ابو یوسف پر عربی میں مقالہ غیر مطبوعہ ہے۔ اسلام آباد ریڈیو کے پروگرام حیّ علی الفلاح کے حوالے سے درس حدیث کے سلسلہ میں بے شمار تقاریر موجود ہیں، جن کو یکجا کر کے طباعت کا ارادہ ہے۔

❁ جمعہ کے خطبات میں آپ کی موضوعی ترتیب کیا ہوتی ہے تیاری کا انداز کیا ہوتا ہے؟

☆ حالات حاضرہ کو پیش نظر رکھتا ہوں، اخلاقی موضوعات کو ترجیح دی جاتی ہے اور ضمناً عقائد اہل سنت کا بیان بھی ہوتا ہے، تیاری کا وقت نہیں ملتا تاہم تائیدایزدی شامل ہوتی ہے، کسی آیت یا حدیث کا انتخاب کیا جاتا ہے اور بوقت بیان ذہن کھلتا جاتا ہے (الحمد للہ)۔

❁ زندگی میں کبھی عشق بھی کیا؟

☆ قلم و قرطاس سے بے حد عشق ہے۔

❁ زندگی میں سب سے زیادہ صدمہ کب ہوا؟

☆ جب 1994ء میں شفیق والدہ کا سایہ سر سے اٹھا پھر 2003ء میں اپنی مادر علمی کے یتیم ہونے کے بعد دگرگوں حالات دیکھنا پڑے۔

❁ تنہائی اچھی لگتی ہے یا محفل؟

☆ تنہائی پسند ہے البتہ تدریس کی محفل اچھی لگتی ہے۔

❁ سورج طلوع ہونے کا منظر اچھا لگتا ہے یا غروب ہونے کا؟

☆ کبھی ان مناظر کو دیکھنے کا موقع نہیں ملا لیکن طلوع آفتاب روشنی لے کر آتا ہے اس لئے یہ بہت خوبصورت منظر ہوتا ہے۔

❁ کسی شخصیت کے ساتھ ملاقات جسے آپ بھول نہ سکتے ہوں؟

☆ بہت سی روحانی علمی شخصیات سے ملاقاتیں ناقابل فراموش ہیں۔ بالخصوص اپنے مرشد گرامی حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کے ساتھ آخری ملاقات جو صبح سے شام تک رہی اور حصول فیضان کا ناقابل فراموش موقع ملا۔

❁ کوئی پچاس سال بعد یہ انٹرویو پڑھے تو اسے آپ کیا کہنا چاہیں گے؟

☆ اسے یہی کہوں گا کہ قرب قیامت کی وجہ سے آپ سخت ابتلاء کے دور سے گزر رہے ہیں۔ اپنے ایمان کو مضبوط کیجئے۔

❁ انسانی زندگی کے بارے میں آپ کا تجزیہ کیا ہے؟ اس میں انسانی ارادہ اور اختیار کی کیا اہمیت ہے؟

☆ اللہ تعالیٰ نے انسان کو مجبور محض نہیں بنایا، اس کا ارادہ انقلاب پیدا کر سکتا ہے لیکن اس کے اختیار کی لگام شریعت کے ہاتھ میں ہونا ضروری ہے۔

❁ زندگی کے مختلف مراحل دیکھنے اور تجربہ حاصل کرنے کے بعد آپ ''دوستی'' کے متعلق کیا کہنا چاہیں گے؟ دوست کسے کہتے ہیں؟ کیا

☆ یہ دور بہت نازک ہے، مفاد پرستی زوروں پر ہے بہرحال دوست کے بارے میں یہ شعر بہت اہم ہے:

دوست آں باشد کہ گیرد دست دوست
در پریشاں حالی و درماندگی

اس سلسلہ میں تجربات بہت تلخ ہیں اس لئے کسی سے دوستی نہیں کی، اعتدال کی راہ پر چلتا ہوں۔

❁ کوئی ایسی بات جو آپ ہمارے سوال کے بغیر کہنا چاہیں؟

☆ آپ کوئی سوال کریں تو جواب عرض کروں گا۔ ویسے کچھ نہیں کہنا چاہتا سوال کا جواب لازم ہو جاتا ہے۔

❁ خطیبوں میں کس سے متاثر؟

☆ ہر وہ خطیب جس کی تقریر مؤثر ہو اور اس کا اثر دیرپا ہو وقتی جذبات سے کھیلنے والا نہ ہو۔ ماضی میں دو شخصیتوں کی تقریر بہت پسند تھی۔ حضرت علامہ شجاعت علی قادری اور حضرت علامہ قاضی عبدالنبی کوکب رحمۃ اللہ علیہا۔ اس وقت چار شخصیتوں کی تقریر سے متاثر ہوں: مفکر اسلام حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ، جگر گوشہ غزالی زماں حضرت علامہ سید حامد سعید کاظمی زید مجدہ حضرت علامہ مفتی منیب الرحمن زید مجدہ اور حضرت علامہ حافظ خان محمد قادری، دامت برکاتہم، علاوہ ازیں علامہ ڈاکٹر طاہر القادری کا انداز خطابت بھی بہت عمدہ ہے۔ (اگر ماضی کے اکابر کی بات ہو تو غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ کی تقریر اپنی مثال آپ ہوتی تھی)۔

❁ آپ نے تنظیم المدارس میں کافی عرصہ کام کیا اس دور اور آج کے دور میں کیا فرق محسوس کرتے ہیں؟

☆ یقیناً بڑا فرق محسوس کرتا ہوں اگرچہ آج کل کمپیوٹر آ گیا ہے۔ سارا ڈیٹا کمپیوٹرائزڈ ہو گیا ہے لیکن نہ جانے کیوں بندے مطمئن نہیں، اس وقت ہر آنے والا مطمئن ہوتا تھا اور یہ سب کچھ استاذی المکرم مفتی محمد عبدالقیوم ہزاروی صاحب کا فیضان تھا۔ ان کی طرف سے نہایت سختی تھی۔ تنظیم جب جامعہ نعیمیہ چلی گئی۔ اس وقت بھی پابندی برقرار رہی۔ جب مفتی صاحب ادارہ میں نہ ہوتے اس وقت میں سارا دن مدرسے میں رہتا تاکہ کوئی بندہ مایوس واپس نہ جائے۔ لاکھوں کا حساب میرے ذمہ ہوتا کیونکہ مفتی صاحب مجھ پر بہت اعتماد کرتے تھے۔ جن دنوں مرشدی حضرت علامہ سید سعید احمد کاظمی صدر اور حضرت مفتی صاحب ناظم تھے۔ اس وقت بھی قبلہ کاظمی صاحب مفتی صاحب کے کام کو سراہتے تھے۔ حضرت غزالی زماں رحمۃ اللہ علیہ، حضرت قبلہ مفتی صاحب رحمۃ اللہ علیہ پر بہت اعتماد کرتے تھے، بلکہ ملتان جانے والے لوگوں کو لاہور میں حضرت مفتی صاحب کے پاس بھیج دیا کرتے تھے۔ تنظیم المدارس میں خدمات کے دوران میں نظامت تعلیم، لائبریری، شعبہ تنظیم المدارس، جامعہ نظامیہ میں تدریس وغیرہ سب کام ایک ہی تنخواہ میں کرتا تھا۔

❁ آپ کا تعلق ملک پاکستان کی زرخیز زمین ضلع ہزارہ سے ہے اور ہزارہ کی سرزمین کا دینی علوم کے پھیلانے میں ایک خاص حصہ ہے اس کے متعلق آپ کیا کہنا پسند فرمائیں گے؟

☆ حضرت مفتی عبدالقیوم ہزاروی رحمۃ اللہ علیہ سے پہلے ہزارہ کے لوگوں کو عموماً مدارس میں داخلہ ہی نہیں دیا جاتا تھا مگر حضرت مفتی صاحب کے جامعہ نظامیہ آنے کے بعد ہزارہ کے لوگوں کو بھی مدارس میں داخلہ ملنے لگا اور اس طرح دین کا نور پھیلنے لگا۔ ایک مرتبہ ممتاز اسلامی سکالر

پیر سید فیض الحسن شاہ نے مسلم مسجد میں مجھے فرمایا تھا کہ ہزارے کی سرزمین بڑی زرخیز ہے۔ آپ خود دیکھ لیجئے کہ ملک کے نامور علماء کا تعلق ہزارہ سے ہے۔ مثلاً مفتی عبدالقیوم ہزاروی، علامہ پیر سید ریاض حسین شاہ، مفتی منیب الرحمان، حضرت استاذ القراء قاری محمد یوسف صدیقی، حضرت علامہ مولانا عبدالحلیم ہزاروی وغیرہ

❁ دلیل راہ کے قارئین کے لئے کوئی نصیحت؟

☆ دلیل راہ کے قارئین سے یہ کہنا چاہوں گا کہ یہ مجلّہ نہایت زیرک، فاضل اور ادیب شخصیت حضرت علامہ سید ریاض حسین شاہ کی زیر سرپرستی نہایت علمی تحریرات کا مجموعہ ہوتا ہے۔ حضرت شاہ صاحب کے اداریتی نوٹ سے جہاں ان کی ادبی صلاحیتوں کا پتہ چلتا ہے وہاں یہ اداریہ ان کے اخلاص، دین اور مسلک کے لئے ان کے کرب کا منہ بولتا ثبوت ہوتا ہے اس سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کریں اور اس کا پیغام دور دراز تک پہنچائیں۔

☆☆☆

کس بات پر اجل کو گلے سے لگا لیا

حافظ شیخ محمد قاسم

بغداد شریف اور سامرا کے آسمان رفعت سے جو شموس طلوع ہوئے ان کی روشن کرنوں نے روہڑی سادات، اوچ شریف، لاہور، ٹیکسلا اور تناول ہزارہ کی زمینوں کو رشکِ مہتاب کر دیا۔ کوٹنالی شریف کے سادات حضرت ہادی علی نقی کی اولاد سے چلے، اس خاندان میں ہر دور میں صاحب علم و فضل، اہل رشد و ہدایت اور اصحاب وجاہت پیدا ہوئے۔ ہندوسندھ و پاک و کشمیر کے ان برگزیدہ خاندانوں میں ہمیشہ وہ لوگ جنم لیتے رہے جو ذہانت اور تقویٰ کے گہوارے رہے۔ سکھر میں سید جلال محمود مکی، کراچی میں سید عبداللہ شاہ غازی، اوچ شریف میں سید جلال الدین سرخ بخاری، سید بدرالدین بادشاہ اور بھکر میں سید صدر الدین بادشاہ، ٹیکسلا میں سید فتح حیدر علی شاہ اور کوٹنالی شریف میں سید غلام مصطفےٰ شاہ رحمۃ اللہ علیہم ایسی نادر روزگار ہستیاں پیدا ہوئیں۔ علم و فضل اور تاریخ و ادب میں جو نام سید بلھے شاہ اور سید وارث شاہ نے کمایا ان کی مقبولیت اور ذکاوت سے کون انکار کر سکے گا۔ اہل کمال اور مقبولین کی اس طریق سے اصلاح عقائد، خدمتِ انسانیت، ذوق اعمال، اشاعت علم اور نشر ادب کا سرمایہ عام کیا۔ ہمارے اس دور میں عرب و عجم کے اندر ہمارے شاہ جی زید مجدہ نے جس طرح دعوت و اصلاح کا کام اٹھایا یقیناً ان کے بزرگوں کے اثرات و برکات اور فیوض و ثمرات قدم قدم پر ان کے یاور اور مددگار نظر آتے ہیں۔ شاہ جی کی صحبت میں بیٹھنے والے شاہ جی کے علوئے ہمت سے ان کے بزرگوں کی تاریخ پڑھ سکتے ہیں۔

میری یہ خوش بختگی ہے کہ شاہ جی کی محبتوں نے مجھے ان سے بے تکلف کر دیا ہے۔ میں ہر بات ان سے پوچھ لیتا ہوں۔ آپ کبھی بھی اپنی کریمانہ شفقت سے مجھے محروم نہیں کرتے۔ پچھلے دنوں جب 21۔ دسمبر 2008 بروز جمعۃ المبارک شاہ جی کے عم بزرگوار ہمارے پیر و مرشد پیر سید عبدالمنان شاہ الحسینی البا کری اللہ کو پیارے ہوئے تو میں نے شاہ جی سے استفسار کیا، دل بریاں بریاں ہے، صدموں نے توڑ رکھا ہے، آپ چچا جی کے بارے میں کچھ بتانا پسند فرمائیں گے۔ آپ کی معلومات ہی ہمارے لئے مشعلِ راہ ثابت ہو سکتی ہیں۔ شاہ جی نے فارسی کا شعر پڑھا اور پر سوز اور لطیف حکایت شروع کر دی۔

حکایت از قدآں یار دل نواز کنیم
بایں بہانہ مگر عمر خود دراز کنیم

عزیز قاسم! میرے چچا جی محترم سید عبدالمنان شاہ الحسینی البا کری تین بھائی تھے۔ سید سلیمان شاہ سب سے بڑے تھے، سید عبد السبحان شاہ ان سے چھوٹے تھے اور چچا جی سب سے چھوٹے تھے۔ میرے دادا جی سید محی الدین ضامن شاہ جلیل القدر عالم، عظیم الشان محدث، معاملہ فہم قاضی، قلم بہار شاعر اور دردمند صوفی تھے۔ آپ نے اپنے موروثی روحانی سرمایہ کے باوجود مقبول مشائخ اور نامور علماء سے استفادہ کیا تھا۔ سرحد میں خیر آباد کے علمی سلسلہ کی آپ نشانی اور برہان تصور کئے جاتے تھے۔ علوم کی تکمیل قاضی عبدالحق محدث پڈھانوی کے تلمذ میں کی تھی اور آپ پڈھانہ کے علمی سلسلہ سے بہت زیادہ متاثر تھے۔ میرے نانا جی حکیم سید محمد اسماعیل شاہ ہزاروی گردیزی اور میرے دادا جی دونوں ہم جماعت تھے۔ والد گرامی فرمایا کرتے تھے کہ برصغیر پاک و ہند کے نامور عالم محدث، مفسر قاضی عبدالسبحان کھلابٹی دادا جی کے ساتھ پڑھتے رہے۔ مہینہ میں ایک رات ہمارے دادا جی قاضی صاحب کے ہاں اور قاضی صاحب ایک رات ہمارے ہاں قیام فرماتے۔ ساری زندگی آپ کی محبتیں عروج پر رہیں۔ 1945ء میں جب دادا جی کا وصال ہوا تو قاضی عبدالسبحان کھلابٹی جنازے میں شریک ہوئے اور آپ دیر تک آپ کی قبر پر چار زانو بیٹھ کر روتے رہے اور جامی کا یہ شعر سوز و گداز کے عالم میں لبوں سے گنگناتے رہے۔

حریفاں بادہ خوردند و رفتند
تہی خمخانہ را کردند و رفتند

عزیزم قاسم! میرے پڑدادا جی سید شاہ نجیب الحسینی 1870ء میں جامعہ ازہر سے فارغ التحصیل ہو کر عازم وطن ہوئے تھے۔ راستے میں نو ماہ تک خانقاہ جیلانیہ بغداد شریف میں قیام فرمایا، یہیں سے آپ کو قادری نسبت سے نوازا گیا۔ میں یہ بھی بتاتا چلوں کہ ہمارا آبائی سلسلہ سہروردی ہے اس لئے کہ سید جلال سرخ بخاری حضرت بہاؤ الحق زکریا ملتانی کے خلیفہ کبیر تھے۔ یہ الگ بات ہے کہ میرے آبا و اجداد نے کبھی بھی مشائخ کبار سے اپنے زمانے میں انتساب اور استفادہ سے تامل نہیں کیا۔ چشتیہ سلسلہ کا اویسی فیض بارگاہ معین سے ہوا اور مجھ فقیر کو خواجہ بے کساں بابا فرید سے ہوا۔

سید عبدالمنان شاہ رحمۃ اللہ علیہ سادہ طبیعت کے مجذوب صفت صوفی بزرگ تھے۔ آپ نے رزق حلال کمانے کے لئے پہلے نیوی اور پھر پولیس میں سروس کی۔ یہی ملازمت انہیں لالہ جی قدس سرہ کے قدموں میں کھینچ لائی۔ تعارف کا ذریعہ لالہ جی گل عدت جو تھانیدار کے نام سے معروف تھے وہ بنے۔ ہنگو میں گل عدت تھانیدار نے چچا جی کو لالہ جی کا پتہ دیا، اس طرح آپ روحانی سلوک کی منزلیں طے کرنے کے

WWW.NAFSEISLAM.COM

لئے پیر خانہ میں پہنچ آئے۔ یہاں آپ کی زندگی میں انقلابی تبدیلیاں پیدا ہوئیں۔ لالہ جی نے سب سے پہلے ان کی طبیعت کا علاج کیا۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ غصہ، بغض اور طیش آدمی کو اندھا کر دیتے ہیں۔ ایسا انسان سود و زیاں دونوں احساسات سے عاری ہو جاتا ہے۔ آپ سردیوں میں برفانی ٹھنڈے تو دوں پر بیٹھ کر مراقبوں میں مشغول رہتے اور جب سخت گرمی ہوتی تو دہکتے انگاروں کے پاس بیٹھے ہوتے۔ اوائل زندگی میں حضرت مولا علی کرم اللہ وجہہ کے طریقے پر سردیوں میں باریک لباس زیب تن فرماتے اور گرمیوں میں موٹا اور سخت کھردرا کپڑا پہنتے۔ آواز پر تاثیر تھی۔ بابا فرید، سلطان العارفین اور میاں صاحب کا کلام پرسوز انداز میں پڑھتے۔ محفل پر نور کی چادر تن جاتی۔ نفس امارہ کے مکرو فریب اکثر صوفیہ کے اقوال کی روشنی میں بیان کرتے رہتے۔

اللہ تعالیٰ نے آپ کو باریک باطنی علم عطا فرما رکھا تھا۔ کشف القبور کے حوالے سے حیرت انگیز واقعات آپ سے منسوب کئے جاتے ہیں۔ دعا کی قبولیت اور نا قبولیت کے بارے میں پہلے ہی بتا دیتے تھے۔ ایک دلچسپ واقعہ عرض کروں اللہ تعالیٰ نے آپ کو شادی کے سترہ سال بعد تک اولاد نہ عطا فرمائی تھی۔ آپ کا منہ بولا بیٹا جب بھی آپ کی اولاد کے لئے دعا مانگتا، آپ فرماتے دعا او پر نہیں گئی۔ تقریباً شادی کے پندرہ سال بعد ایک رات مسکین نے دعا مانگی تو آپ فرمانے لگے آج دعا رک نہیں سکی۔ اللہ مجھے اولاد عطا فرما دے گا۔ آپ نے زندگی کو پھیلانا اور شہرت کی معراج پانا پسند نہ کیا۔ اپنے شیخ کے قدم پر چلتے ہوئے خود کو محدود رکھا۔ آپ کو حج کا فریضہ ادا کرنے کے لئے خادمین خطیر رقم پیش کرتے لیکن آپ فرما دیتے اور کہتے

''حق حلال کے کمائے ہوئے پیسے اگر جمع ہو گئے تو حج ضرور کروں گا''

لیکن زندگی سفید پوشی میں کٹ گئی۔ ایک بار کسی نے ایک لاکھ روپے زکوٰۃ کے آپ کے پاس چھوڑے اور عرض کی مستحقین میں تقسیم فر دیں۔ آپ نے پیسے واپس کر دیئے اور فرمایا:

''میں سید ہوں مجھ پر زکوٰۃ نہیں لگتی۔ میرا کوئی مدرسہ بھی نہیں کہ مستحق طلبہ پر خرچ کر دوں۔ میرے گلے میں کیوں وبال ڈال دیا ہے۔ جاؤ! خود مستحق تلاش کرو اور خود فریضہ زکوٰۃ کی ادائیگی میں جلدی کرو''۔

آپ نے عالم دین بننے کا روایتی نصاب نہیں پڑھا ہوا تھا، لیکن قرآن و حدیث اور فقہ کی باقاعدہ تعلیم حاصل کی تھی بلکہ عوارف المعارف، قشیریہ، بہار شریعت، کشف المحجوب، احیاء العلوم اور مکتوبات شریف کا آپ مطالعہ کرتے رہتے تھے۔ آپ روایتی خطابت سے دور بھاگتے تھے بلکہ بعض اوقات تبصرہ کرتے اور فرماتے ہمارے دور میں خطبا اور علماء نے مقدس لفظوں کو تھکا دیا ہے۔ مولویوں کی طرح بے روح اصطلاحیں مذہب کو بے روح کر رہی ہیں۔ آپ علم کو مومن کی کھوئی ہوئی میراث سمجھتے تھے۔ آپ کو اقبال کا شکوہ اور جواب شکوہ پڑھنے سے ایک خاص دلچسپی تھی۔ علم الیقین، عین الیقین اور حق الیقین آپ کی گفتگو میں نمایاں عنوانات ہوتے۔

حق الیقین کی وضاحت کرتے ہوئے اقبال کا یہ شعر بھی پڑھتے:

یقین ، مثل خلیل ، آتش نشینی
یقین ، اللہ مستی ، خود گزینی

WWW.NAFSEISLAM.COM

شاہ جی نے چاچا جی کے احوال سے گل چینی اور گلاب افشانی کا سلسلہ ختم کر دیا لیکن میں چاچا جی کا لالچی مرید ہوں۔ شوق پیدا ہوا کہ شاہ جی کچھ اور کھلیں اور اس صادق انسان کی زندگی کے پرلطف واقعات سے مجھے اور میرے قارئین کو بہرہ مند کریں۔ اگلے ہی دن مجھے شاہ جی کی معیت کا جلوہ دوبارہ نصیب ہو گیا۔ اب شاہ جی ایک پتھر پر بیٹھے تھے۔ اچھی طرح محسوس ہو رہا تھا کہ چاچا جی جیسے شاہ جی کی طبیعت میں طاری ہو گئے ہوں۔ میں نے ہمت کی اور ایک گلابوں بھری شاخ شاہ جی کے ہاتھ میں تھما دی۔ میں سمجھتا ہوں کہ شاہ جی کو چھیڑنے کے لئے جمالیاتی ماحول بڑا کارگر ثابت ہوتا ہے۔ ٹھنڈی ہوا نے جذبہ نسبت کو دو آتشہ کر دیا اور آپ نے اپنی بات یہاں سے شروع کی:

سید عبدالمنان شاہ صاحب علیہ الرحمہ 30۔ جون 1930 بروز اتوار کوٹلی ہزارہ میں پیدا ہوئے۔ آپ کے والد گرامی اپنے زمانہ کے نامی گرامی عالم، فقیہ اور مصنف تھے۔ چاچا جی نے بچپن ہی میں غم عشق اور درد کی میراث پائی تھی۔ آپ کو اقبال کی اس سوچ سے مکمل اتفاق تھا کہ مرد کامل میں یہ صفات ہونی چاہیئے:

چہ باید مرد را طبع بلندے، مشرب نابے
دل گرمے، نگاہ پاک بینے، جان بے تابے

لیکن انہیں اقبال محترم کی اس رائے سے اتفاق نہیں تھا

سبوئے خانقاہاں خالی از مے
کند مکتب رہ طے کرد راہ طے

چچاجی فرمایا کرتے تھے کہ گمراہ فکرلوگ اقبال کے نام پر خواہ مخواہ لوگوں کو راہ حق سے بھٹکاتے ہیں کہ علماء کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی جگہ گردش میں فاصلہ طے کرنا چاہتے ہیں۔ چچاجی کا مسلک حیات یہی تھا حضور ﷺ، حضور ﷺ اور صرف حضور ﷺ۔ آپ کا طرز حیات عشق اور محبت کی روشنیوں میں ڈوبا رہتا تھا لیکن آپ عشق میں یہ نہیں کہتے تھے ''کافر عشقم مسلمانی مرا در کار نیست'' آپ ہمیشہ اپنے آپ کو ضوابط شریعت کا پابند رکھتے۔

چچاجی کو دوسروں پر تنقید سخت ناپسند تھی آپ فرماتے تھے صوفیہ کا طرز عیب پوشی ہے نہ کہ عیب چینی۔ ایک مرتبہ کسی نے حافظ کا شعر آپ کے سامنے پڑھا:

واعظاں کیں جلوہ بر محراب و منبر می کنند
چوں بہ خلوت می روند آں کارے دیگر می کنند

چچاجی جلال میں آگئے اور فرمایا عیب اپنے ہی دیکھنے چاہئیں۔ واعظ، علماء اور مشائخ مینار راہ ہوتے ہیں ہمیشہ ان کا احترام کرنا چاہیئے۔

چچاجی کو ''نفس مارنے'' کی اصطلاح پسند نہ تھی۔ آپ نفس کی تہذیب اور تزکیہ کا مسلک رکھتے تھے۔ اپنے دادا مرشد خواجہ نور محمد عرف نانگا صاحب کا یہ قول اکثر اپنی گفتگو میں سناتے

''نفس کو خوب کھلاؤ پلاؤ اور پھر اس پر سوار ہو جاؤ''

اوائل میں کہیں حضور ﷺ کی زیارت ہوئی تھی اور فرمایا کرتے تھے کہ آپ نے فرمایا ہے:

''بیٹا جب وقت آئے گا تو میں تمہیں اپنے ساتھ رکھوں گا۔''

چچاجی نے ساری زندگی آس میں گزاری، ابھی آئیں گے اور جلوہ دکھائیں گے۔ ایک دن سلائی مشین پر کپڑے سی رہے تھے کہ نیند کا غلبہ ہوا اور آپ اپنا سر مشین کے اندر گھسا کر سو گئے۔ صبح اٹھے تو مٹھائی بانٹی، جن کا انتظار تھا وہ آگئے لیکن اب کی بار فرما گئے ابھی تمہارے صاحب زندہ ہیں، اگلی مرتبہ ساتھ لے جاؤں گا۔ چچاجی کا شوق، فراق میں نعتیں پڑھتے، روتے اور سننے والے بھی زار و قطار روتے۔ ایک روحانی لطیفہ آپ کا ایک مرید آیا اور عرض کی مجھے بھی حضور ﷺ کی زیارت کروایئے آپ نے اس کا سر پکڑا اور مشین میں دے دیا فرمایا مجھے بھی ادھر ہی زیارت ہوئی تھی تجھے بھی زیارت ہو جائے گی۔ سید عبدالمنان شاہ علیہ الرحمہ کو اپنے جد امجد امام عالی مقام حسین پاک سے وفور عقیدت حاصل تھا اس لئے آپ اپنے نام کے ساتھ حسینی لکھ دیتے تھے۔ آپ طبیعۃً بھی حسینی تھی۔ ساری زندگی ایک چھوٹے سے مکان میں گزار دی۔ آپ نے عمومیت، سوقیت اور عبثیت کی رو میں کبھی اپنے آپ کو بہنے نہ دیا۔ بچوں سے انتہائی پیار کرتے تھے۔ جو بچے اچھے لگتے کسی کو بابا فرید کہتے، کسی کو بلھے شاہ کہہ کر پکارتے۔ سخت کوش تھے اور سخت کوشی ہی سے محبت فرماتے تھے۔ برادری، محلّہ، گاؤں اور پڑوسی ہر ایک کے گھر کا سودا سلف خریدتے اور کندھوں پر اٹھا کر گھر پہنچاتے۔ فرماتے فقر نفس کی اصلاح، محبت اور مخلوق کی خدمت کا دوسرا نام ہے۔ محافل سے اتنا پیار نہیں تھا کبھی تشریف بھی لاتے تو اچھی طرح محسوس ہوتا کہ شاہین کو کسی نے پنجرے میں بند کر دیا ہے۔ جلسوں میں شرکت کا مزاج نہیں تھا، اگر کبھی مجبور کر لیا جاتا تو خاموش شرکت ہوتی۔ وعظ، دعا اور صدارتی کلمات سے اجتناب برتتے۔ اگر کوئی تنہائی میں ملتا تو تلقینات میں عشق ہی اہم موضوع ہوتا اور کبھی کبھار یہ بھی فرماتے نفس کو باز بناؤ اور پھر خود ہی توجیہ فرماتے:

''یہ آشیانہ نہیں بناتا
تیز نگاہ ہوتا ہے
خلوت پسند ہوتا ہے
بلند پرواز ہوتا ہے
خوددار اور غیرت مند ہوتا ہے
فقیر کی تمام صفات اس میں موجود ہوتی ہیں''

زندگی کے آخری ایام میں والد گرامی اور والدہ محترمہ کی قبروں کی زیارت کے لئے کثرت کے ساتھ گاؤں تشریف لے جاتے اور فرماتے اس عمل سے آسودگی حاصل ہوتی ہے۔ کچھ وقت آپ نے سید بلھے شاہ کے مزار پر بھی بسر فرمایا۔ موت سے بالکل بھی خوف نہ تھا۔

NafseIslam
WWW.NAFSEISLAM.COM

وصال سے ایک دن پہلے ملاقات سے نوازا اور فرمایا میں بالکل ٹھیک ٹھاک ہوں۔ جمعۃ المبارک ادا نہ کر سکے اور ظہر پڑھی۔ سانس میں قدرے تکلیف محسوس کرتے تھے لیکن عصر اور مغرب کی نماز باجماعت ادا فرمائی۔ اچانک طبیعت بدل گئی۔ آپ ہر چند منع فرماتے رہے لیکن دوست چاہتے تھے کہ علاج کرانے میں کوئی قباحت نہیں، ابھی گھر اور ہسپتال کے درمیان ہی پہنچے ہوں گے کہ دوستوں سے کہا میں ذکر کرتا ہوں تم درود شریف پڑھو اور جان جانِ آفرین کے سپرد کر دی۔

دوست سوچتے رہ گئے

کس بات پر اجل کو گلے سے لگا لیا

☆☆☆

فتاویٰ رضویہ

جلد نمبر: ۲

(مباحث کا خلاصہ)

علامہ جی اے حق محمد
ریسرچ سکالر ادارہ تحقیقات اسلامی

یہ جلد ۳۳ سوالات کے جوابات اور سات رسائل پر مشتمل ہے۔ بنیادی طور پر پانیوں (میاہ) سے متعلق تفصیلات ہیں۔ بتلایا گیا ہے کہ وضو کے برتن میں جو پانی بچ جائے وہ ماء مستعمل نہیں اس سے وضو کیا جاسکتا ہے اور اگر ماء مستعمل تھوڑا سا ماء غیر مستعمل میں مل جائے تو بھی وہ پانی وضو کے قابل ہوتا ہے۔ اگر بہتا ہوا پانی نجاست پر سے گذر رہا ہے تو بھی پاک ہے اگر وہ پانی برتن میں لیا اور نجاست کا ذرہ اس میں آ گیا تو وہ پانی ناپاک کہلائے گا۔

استعمال شدہ پانی سے متعلق تحریر کردہ رسالہ میں واضح کیا گیا ہے کہ استعمال شدہ پانی وہ ہے جو دھوئے ہوئے عضو سے بہہ کر جدا ہو جائے، یہ پانی طاہر ہے مگر کسی اور عضو کی نجاست حکمیہ کو زائل نہیں کرسکتا یعنی اس پانی سے کوئی اور بے وضو شخص وضو نہیں کرسکتا۔ اس پانی کو مسجد میں ڈالنا بھی جائز نہیں، اگر بدن کو ٹھنڈا کرنے کے لئے یا مٹی دھونے کے لئے پانی استعمال کیا تو وہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا۔ اس طرح اگر کوئی برتن دھویا تو یہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا۔ جب نجاست حکمیہ زائل کرنے کے لئے پانی استعمال کیا تو اس دھوئے ہوئے عضو کے گناہ ڈھل کر اس پانی میں آجاتے ہیں جس کی وجہ سے وہ پانی دوبارہ کسی نجاست حکمیہ کو زائل کرنے کے قابل نہیں رہتا۔ اعلیٰ حضرت نے امام شعرانی کی میزان الشعریۃ الکبریٰ کے حوالے سے سید علی خواص الشافعی کا قول نقل کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت امام اعظم ابوحنیفہ ؓ کو کشف کی ایسی طاقت عطا فرمائی تھی کہ جب وہ کسی کو وضو کرتا دیکھتے تو پانی میں ڈھل کر بہنے والے گناہوں کو پہچان لیتے تھے۔

نجاست حکمیہ حدث لاحق ہونے کی وجہ سے ہوتی ہے۔ حدث اصغر چار اعضاء کو ناپاک کرتی ہے جو وضو سے زائل ہوتی ہے اور حدث اکبر سارے بدن کو ناپاک کرتی ہے جو غسل کرنے سے زائل ہوتی ہے۔ یہ حکم حضرت نبی اکرم ﷺ کے معاملے میں نہیں تھا، یعنی آپ کے وضو کرنے سے پانی استعمال شدہ قرار نہیں پاتا تھا کیونکہ آپ ﷺ کو رب ذوالجلال نے معصوم بنایا لہٰذا ان کے استعمال سے پانی میں گناہ نہیں آتے تھے گناہ ہوتے ہی نہ تھے۔ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ آپ ﷺ وضو فرماتے تو صحابہ کرام پورے تقدس اور جوش و جذبۂ عقیدت سے آپ کا استعمال فرمودہ پانی ایک ایک قطرہ نیچے نہ گرنے دیتے تھے بلکہ اپنے ہاتھوں میں لے کر اپنے چہروں پر مل لیتے تھے اور اس کو طہارت و پاکیزگی کی معراج سمجھتے تھے اور حضور پرنور ﷺ اس سے منع نہیں فرماتے تھے۔

رجب ۱۳۲۷ھ کو لکھے گئے فتویٰ کا نام ''النمیقۃ الانقی فی فرق الملاقی والملقی'' ہے۔ لکھا ہے کہ اگر شخص مکلّف پر جس عضو کا دھونا کسی نجاست حکمیہ کی وجہ سے بالفعل واجب ہو وہ عضو یا اس کا حصہ اگرچہ ناخن یا ناخن کا کنارہ قلیل پانی میں جو جاری نہ ہو بلا ضرورت پڑ جائے تو وہ پانی قابل وضو و غسل نہیں رہتا۔ اس سے نجاست حقیقیہ دھو سکتے ہیں مگر وہ نجاست حکمیہ کو زائل نہ کرے گا۔ اگر نابالغ بچہ کا بدن جو نجاست حقیقیہ سے پاک ہو قلیل پانی میں ڈوب جائے تب بھی وہ پانی استعمال شدہ نہ کہلائے گا اور اس سے وضو یا غسل کرنا جائز ہوگا۔ اگر میت کا ہاتھ یا پاؤں غسل سے قبل قلیل پانی میں پڑ جائے تو وہ پانی مستعمل کہلائے گا اس سے وضو یا غسل کرنا جائز نہ ہوگا۔

ایک قاعدہ یہ بھی بتلایا گیا ہے کہ جس عضو کا جہاں تک پانی میں ڈالنا ضرورت کی وجہ سے ہو تو اس قدر میں معافی ہے اس سے پانی مستعمل نہ ہوگا۔ جاری پانی پاک ہوتا ہے حتیٰ کہ مختار قول کے مطابق نجس پانی اگر جاری ہو جائے تو پاک ہو جاتا ہے۔ اعلیٰ حضرت نے اس فتویٰ میں علامہ قاسم کا کلام شامل کرتے ہوئے لکھا ہے کہ اگر کثیر پانی میں کسی طرف ماء مستعمل مل جائے تو کثیر پانی نجس نہیں ہوتا۔ ٹھہرے ہوئے پانی میں پیشاب کرنے سے اس لئے منع لکھا گیا ہے کہ پانی کو بلا ضرورت مطہر ہونے سے خارج کرنا حرام ہے۔

اس فتویٰ میں تفصیلی بحث اس بات پر کی گئی ہے کہ پانی چاہے جتنا زیادہ ہو باہمی متصل ہونے کی وجہ سے کسی طرف نجاست مل جائے تو سارا پلید ہو جاتا ہے یا نہیں۔ یہ فلاسفہ کا خیال ہے کہ پانی حقیقۃً متصل واحد ہے لہٰذا ایک طرف نجاست مل گئی تو سارا پانی نجس ہو جائے گا، مگر علماء اسلام کہتے ہیں کہ اجسام جواہر منفردہ سے مرکب ہیں تو اس صورت میں اجزاء باہمی مجاور تو ہوں گے مگر باہمی متصل نہیں ہوں گے۔ فلاسفہ نے براہین ہندسیہ پر اپنے فلسفہ کی بنیاد رکھی ہے اور ہندسہ کی بنیاد خطوط متصلہ کے توہم پر ہے، جیسے کہ علم ہیئۃ کا دار و مدار، منطقوں، محوروں، قطبوں اور دائروں کے توہم پر مبنی ہے اگرچہ ان کا خارجی (واقعی) وجود نہ ہو۔ ہمارے نزدیک جسم حقیقۃً متفرق اجزا سے بنا ہے جو حسی اعتبار سے باہمی متصل ہیں۔ اس لئے شریعت کا حکم ہے کہ کثیر پانی نجاست گرنے سے نجس نہ ہوگا خواہ نجاست نظر آ رہی ہو۔

سوال نمبر ۳ کے جواب میں فرمایا کہ حوض کتنا چھوٹا ہو کسی پاک صاف آدمی کے نہانے سے جبکہ بدن پر کوئی نجاست حقیقیہ نہ لگی ہو ہرگز ناپاک نہیں ہوتا۔ نہانے والے کا غسل بھی اتر جائے گا اور حوض بھی بدستور پاک رہے گا اور اگر اس حوض کا پانی ماء کثیر کی تعداد پر ہے تو نجاست حقیقیہ کے گرنے سے بھی ناپاک نہ ہوگا۔

ایک حوض (تالاب) جو 10×10 ہے مگر اس میں ستون بنے ہیں جو چھ گز سطح کو گھیرے ہوئے ہیں تو پانی سو ہاتھ نہ رہا بلکہ گھٹ گیا تو وہ

آب قلیل شمار ہوگا۔ حوض کی مساحت ۳۲۴۰۰ انچ سے کم ہو تو اس کا پانی ماء قلیل کہلائے گا۔ اس میں ایک قطرہ بھی نجاست کا گر گیا تو ناپاک ہو جائے گا۔ اگر اس میں بغیر دھوئے ہاتھ یا پاؤں یا کوئی عضو نہیں ڈالا گیا تو اس سے وضو کرنا جائز ہے۔ اگر استعمال کیا جانے والا پانی اس میں گرے تو کوئی حرج نہیں جب تک کہ وہ استعمال شدہ پانی غالب نہ آجائے اور اگر بے دھلا کوئی عضو خواہ ایک ناخن ہو بلا ضرورت اس میں ڈالا گیا تو وہ پانی قابل وضو نہ رہے گا۔ اگر کھڑا پانی نجس تھا اور دوسرا پاک پانی بہتا ہوا آیا اور نجس پانی کے ساتھ مل کر جاری ہو گیا تو سارا پانی پاک ہو گیا کیونکہ جاری پانی ایک حصہ دوسرے حصے کو پاک کر دیتا ہے۔ ان جانوروں کا جھوٹا پانی مکروہ ہوتا ہے جن کے جسم میں بہتا خون ہوتا ہے، بشرطیکہ اس کے علاوہ پانی موجود ہو اگر کوئی دوسرا پانی موجود نہ ہو تو یہ کراہت بھی نہیں ہے اور جس جانور کے بدن میں چلتا خون نہیں ہوتا اس کا جھوٹا پانی مکروہ نہیں ہے۔ اگر نامحرم عورت اپنے مرشد کا جھوٹا مشروب صرف تبرک کی نیت سے پی لے تو یہ جائز ہے۔

رسالہ ''الهنئ النمير فى الماء المستدير '' میں بتلایا گیا ہے کہ کنواں ایک قول کے مطابق اڑتالیس ہاتھ چوڑا ہو تو کافی ہے۔ دوسرا قول چھیالیس ہاتھ ہے اور تیسرا قول چوالیس ہاتھ ہے جبکہ چوتھا قول چھتیس ہاتھ ہے۔ تحقیق یہ ہے کہ اس کی گولائی ساڑھے پینتیس ہاتھ چاہیے یعنی ۳۵ء۴۴۹ تو اس کا قطر تقریباً پانچگز ساڑھے دس گرہ ہوگا، کیونکہ محیط دائرہ کو ربع قطر میں ضرب دینے سے دائرہ کی مساحت حاصل ہوتی ہے یا قطر دائرہ کو ربع محیط یا نصف قطر کو نصف محیط میں ضرب دیجئے یا قطر و محیط کو ضرب دے کر ۴ پر تقسیم کریں تو حاصل سب کا ایک ہی ہے۔

سوال نمبر ۴۶ کا جواب دیتے ہوئے فرمایا کہ اگر کوئی ہندو جنابت کے لئے غسل کرے اس طرح کہ سر سے پاؤں تک تمام بدن ظاہر پر پانی بہہ جائے اور حلق کی جڑ تک سارا منہ اور ناک کے نرم بانسے تک ساری ناک دھل جائے تو کافر کی جنابت اتر جائے گی۔ کافر کا آب غسل مکروہ ہے پھر بھی ناپاکی کا حکم نہ دیں گے۔ جب تک کہ اس کی تحقیق نہ ہو جائے کہ اس کے بدن پر نجاست حقیقیہ لگی ہوئی تھی۔ آپ آگے فرماتے ہیں کہ قرآن مجید نے ''انما المشركون نجس'' فرما کر کافروں کو ناپاک قرار دیا ہے مگر یہ ناپاکی ان کے باطن کی ہے۔ اگر کافر نے شراب پی ہو اور شراب کا اثر اس کے منہ میں ہو تو اس کا جھوٹا ناپاک ہے اگر اس کا جھوٹا ظاہری نجاستوں سے بالکل جدا ہو تو اس کے جھوٹے کو صریح ناپاک نہ کہا جائے گا۔

اس جلد کے مسئلہ نمبر ۴۹ کا جواب بھی ایک رسالہ کی شکل میں ہے کہا گیا ہے کہ ایسے حوض کا پانی جو اوپر سے دہ در دہ کی پیمائش رکھتا ہے مگر اس کا نچلا حصہ اس پیمائش سے کم ہے اس حوض میں نجاست پڑنے سے ناپاک نہیں ہوتا کیونکہ مجموع آب کثیر ہے اور اعتبار پانی کی سطح کا ہے۔ اگر حوض کا اوپر والا حصہ دہ در دہ سے کم ہو اور نچلا حصہ دہ در دہ جاری سے زائد ہو پھر اوپر والے حصے میں نجاست گر جائے تو اوپر والا حصہ ناپاک ہوگا اور اگر پانی کم ہو گیا اور صرف نچلے حصے میں رہ گیا تو اس سے وضو اور غسل جائز ہوگا۔ کیونکہ کثیر پانی اس وقت نجس ہوگا جب نجاست کی وجہ سے اس کا کوئی وصف متغیر ہو جائے۔

حوض کا اوپر والا حصہ ناپاک ہو گیا پھر اوپر والا ناپاک پانی نکال دیا گیا اور حوض کا اوپر والا حصہ خشک ہو گیا اور پھر اس میں پاک پانی ڈال کر اس کو بھر دیا گیا تو سارا حوض پاک ہوگا۔

WWW.NAFSEISLAM.COM

اگر حوض کا اوپر کا حصہ دہ در دہ ہے مگر نچلا حصہ پیمائش میں کم ہے پھر اس حوض میں نجاست گر گئی تو بالائی حصہ پاک ہے اگر پانی کم ہو کر نچلے حصے تک رہ گیا تو پانی ناپاک کہلائے گا اگر اس نچلے حصے میں نجاست چلی گئی۔ اگر پانی نچلے حصے میں تھا اس میں نجاست پڑ گئی اور پھر اس میں پانی آیا اور اوپر تک بھر گیا تو دو صورتیں ہیں اگر پانی اس طرح آیا کہ ابل کر حوض سے باہر بہنے لگا تو آب جاری ہونے کی وجہ سے پاک ہو گیا اور اگر اتنا پانی آیا کہ حوض بھر گیا تو پانی ناپاک ہی رہا۔ الماء الجارى يطهر بعضه بعضاً کا مطلب یہی ہے۔ اگر پاک پانی آئے اور نجس پانی کو لے کر جاری ہو جائے تو سارا پانی پاک ہوگا۔

مسئلہ نمبر ۵۵ کے جواب میں اعلیٰ حضرت رحمۃ اللہ علیہ نے ''النور والنورق لاسفاو الماء المطلق '' کے نام سے ایک مفصل فتویٰ تحریر فرمایا جس کی پانچ فصول ہیں۔ فصل اول جزئیات منصوصہ پر مشتمل ہے اور وہ تین قسم ہیں، نمبر ۲ میں تعریف مطلق و مقید، نمبر ۳ میں ضوابط جزئیہ متون، نمبر ۴ میں ضوابط کلیہ متاخرین، نمبر ۵ میں جزئیات جدیدہ ہیں، فرماتے ہیں مینہ، دریا، نہر، چشمے، جھرنے، جھیل، بڑے تالاب اور کنوئیں کے پانی سے وضو وغیرہ جائز ہے، البتہ ماء زمزم سے وضو اور غسل تو جائز ہے مگر ڈھیلے استعمال کرنے کے بعد استنجا مکروہ ہے اور نجاست دھونا ممنوع ہے۔ سمندر کے پانی سے وضو کا جائز ہونا ہمارے آئمہ اور جمہور امت کے اجماع کی وجہ سے ہے۔ برف کا پگھلا ہوا پانی اور شبنم کا پانی بھی پاک ہے۔ دھوپ سے گرم شدہ پانی کا استعمال طبی اعتبار سے نقصان دہ ہوتا ہے۔ عام لوگوں کے استعمال میں آنے والے کنوئیں تالاب وغیرہ پاک ہوتے ہیں جب تک کہ ان میں نجاست کا یقین نہ ہو جائے۔

جس زمین پر اللہ تعالیٰ کا عذاب اترا اس کے کنویں تالاب وغیرہ کا پانی مکروہ ہے اور اس کی مٹی سے تیمم بھی مکروہ ہے۔ اگر کسی دوسرے کی ملکیت کنویں کا پانی اس کی اجازت کے بغیر لیا تو اس کا استعمال جائز ہے کیونکہ کنوں کا پانی جب تک اندر ہے اور بارش کا پانی خالص اللہ تعالیٰ کی ملک ہے۔

کسی نے بارش کا پانی لینے کے لئے برتن رکھا تو اس برتن میں پڑنے والا پانی اس برتن والے کا ہوگا اگر کسی نے صرف پینے کے لئے سبیل لگائی تو اس کو وضو یا غسل کے لئے استعمال نہیں کرنا چاہیئے۔ اگر سبیل کا مالک اس کی اجازت دے تو درست ہے۔ سفر میں اتنا پانی پاس ہے کہ اگر اس سے طہارت کرے تو اس کو یا کسی اور مسلمان کو یا اس کے جانور کو پیاس بجھانے کے لئے کچھ میسر نہ آئے گا تو اس سے طہارت کرنا منع ہے اور اگر اپنے یا کسی اور مسلمان کے بوجہ پیاس ہلاک ہونے کا خوف ہو تو اس پانی سے طہارت کرنا حرام ہے۔ اگر پانی میں کچھ میٹھی چیز پڑ گئی اور ہلکا سا میٹھا ہو گیا تو اس سے وضو جائز ہے۔ اسی طرح اگر کوئی چیز تھوڑی مقدار میں پانی میں مل گئی تو بھی اس پانی سے وضو جائز ہے۔

تربوز کا پانی عام پانی میں اتنا مل جائے کہ عام پانی پر اس کا مزہ غالب نہ آئے تو بھی اس پانی سے وضو جائز ہے۔ یہی شیرۂ انگور کا ہے۔ سرکہ اس طرح پانی میں مل جائے کہ اس کا کوئی وصف پانی پر غالب نہ آئے یا صرف اس کی بو غالب آئے تو اس پانی سے بھی وضو جائز ہے۔ اگر دودھ پانی میں مل گیا مگر دودھ کا رنگ پانی پر غالب نہ آیا تو اس پانی سے بھی وضو جائز ہے۔

آپ فرماتے ہیں کہ مندرجہ ذیل سے وضو جائز نہیں۔ پلید پانی، مستعمل پانی (جس سے پہلے وضو کیا گیا ہو) ہر قسم کے عرقیات جو کشید کئے جاتے ہیں، آب کاسنی و آب مکوہ، زعفران سے نکالا گیا پانی، ہر قسم کے پھلوں کا جوس، گنے کا رس، ناریل کا پانی، ہر قسم کا سرکہ، نمک کا پانی (نمک گرمی میں جم جاتا ہے اور میں پگھلتا ہے) ماء الجبن کہ دودھ کو پھاڑ کر پانی نکالتے ہیں، دہی کا پانی، لسی (چھاچھ)، چاولوں کی پیچ، ماء اللحم، گوشت کی یخنی، جس پانی میں چنے ابالے گئے، وہ پانی جس میں ستو گھلے ہوں، سیلاب کا پانی جس میں کیچڑ مل کر گاڑھا کر دے۔ کافی، چائے کا قہوہ۔

اس سلسلے میں ایک قاعدہ یہ ہے کہ اگر پانی میں ایسی چیز مل جائے جس سے پانی کو پانی نہ کہا جائے یعنی نام بدل جائے یا ایسا سیال مادہ (Liquid) جس کو پانی نہ کہا جاتا ہو اس سے وضو جائز نہیں۔ اگر پانی میں اس قدر رنگ مل جائے کہ وہ کسی چیز کے رنگنے میں کام آ سکے تو اس سے بھی وضو جائز نہیں۔ فصل ثانی میں فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے پانی کو مطلق بیان فرمایا ہے اور مطلق وہ ہے جس سے صرف ذات مراد ہو اور مقید وہ ہے کہ ساتھ میں صفت بھی مراد ہو۔ قرآن میں ماء مطلق سے مراد یہ ہے کہ کوئی ایسی چیز اس میں ملی ہوئی نہ ہو جس کی وجہ سے مطلق پانی کا نام مسلب ہو جائے۔ مطلق پانی وہ ہے جو اپنے پیدائشی اوصاف پر باقی ہو۔ اس کی رقت و سیلان اپنی حالت میں ہو، اس کو کوئی اور نام نہ دیا گیا ہو، ایک ضابطہ یہ بھی ہے کہ پانی کی طبع زائل نہ ہو اس پر کوئی اور چیز غالب نہ آ جائے یا کوئی اور چیز اس میں پکائی نہ گئی ہو تو اس سے وضو جائز ہے۔

☆☆☆

سُنی سیکرٹریٹ میں
جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کے پندرہ یوم
کیف و مستی کی عجب دنیا

ڈاکٹر منظور حسین اختر

پانچ نومبر 2008 کو جماعت اہل سنت کی مرکزی انتظامیہ کا اہم اجلاس مرکزی امیر پیر سید مظہر سعید کاظمی کی زیر صدارت منعقد ہوا جس میں سنی سیکرٹریٹ کی ترقی، اتحادِ اہل سنت، ملکی حالات اور دیگر اہم جماعتی امور پر غور وخوض کیا گیا۔ اجلاس میں تربیتی کیمپس کے انعقاد، سنی سیکرٹریٹ کی ترقی کے لئے صوبائی سطح پر فنڈز کی فراہمی اور سنی سیکرٹریٹ کے دفاتر میں کام شروع کرنے کا فیصلہ بھی کیا گیا۔ چنانچہ ہر صوبہ کی یکے بعد دیگرے 15، 15 روز کے لئے سنی سیکرٹریٹ کے دفاتر میں ڈیوٹیاں لگائی گئیں۔ اس ضمن میں کام کی تقسیم یوں کی گئی۔

یکم جنوری تا 15 جنوری 2009 صوبہ سرحد

یکم فروری تا 15 فروری 2009 صوبہ پنجاب

یکم مارچ تا 15 مارچ 2009 صوبہ سندھ

یکم اپریل تا 15 اپریل 2009 صوبہ بلوچستان

یکم مئی تا 15 مئی 2009 صوبہ وفاقی علاقہ جات

یکم جون تا 15 جون 2009 آزاد کشمیر

یکم جولائی تا 15 جولائی 2009 ایڈوائزری کونسل سنی سیکرٹریٹ

یکم اگست تا 15 اگست 2009 لاہور ڈویژن (مقامی)

اجلاس کے فیصلوں کی رُو سے تو سُنی سیکرٹریٹ میں یکم جنوری سے ڈیوٹیوں کا آغاز ہونا تھا لیکن سیکرٹریٹ میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین شاہ کے دفتر کو دسمبر 2008 کی پہلی تاریخ سے ہی فعال کر دیا گیا۔ جناب محمد بہاؤ الدین نے اپنی ٹیم کے اراکین کی ڈیوٹیاں لگائیں اور یکے بعد دیگرے شاہ جی کیننگی سُنی سیکرٹریٹ میں حاضر رہے۔ یکم جنوری 2009 کو مرکزی ناظم اعلیٰ جماعت اہل سنت پاکستان نے مستقل طور پر سیکرٹریٹ میں اپنا سیکرٹری علامہ محمد عمیر عارف کو مقرر کر دیا۔

حسب پروگرام یکم جنوری 2009 کو جماعت اہل سنت صوبہ سرحد کا وفد سنی سیکرٹریٹ پہنچ گیا۔ وفد میں مرکزی نائب ناظم اعلیٰ حافظ محمد زبیر اعوان، صوبائی ناظم اعلیٰ علامہ محمد بشیر القادری، ضلعی ناظم مالیات ہری پور محمد اشتیاق، امیر یونین کونسل ضلع ایبٹ آباد محمد اقبال اور محمد آصف شامل تھے۔

مرکزی ناظم اعلیٰ مفسر قرآن، مفکر اسلام حضرت پیر سید ریاض حسین شاہ نے سنی سیکرٹریٹ میں کام کے حوالہ سے ہدایات دی تھیں کہ:

(۱) روزانہ عصر کی نماز کے بعد درس قرآن دیا جائے۔

(۲) قرب وجوار کے علماء ومشائخ کو سنی سیکرٹریٹ میں مدعو کیا جائے اور ان سے سنی سیکرٹریٹ کو فعال بنانے کے لئے تجاویز و آراء لی جائیں۔

(۳) قریبی دیہاتوں وقصبات میں مقیم لوگوں کو سنی سیکرٹریٹ کا تعارف کرایا جائے۔ قریبی مساجد واداروں سے رابطہ

(۴) جماعت کے مقامی ذمہ داران سے رابطہ

ہدایات کے مطابق صوبہ سرحد کے وفد نے سنی سیکرٹریٹ میں اپنے کام کا آغاز کر دیا۔

درس قرآن:

قرآنی تعلیمات کا پرچار جماعت اہل سنت کے مقاصد میں شامل ہے۔ تمام علوم ومعارف کا مخزن قرآن ہے اور قرآن پاک ہی ہماری تنظیم کا چارٹر ہے۔ چنانچہ سنی سیکرٹریٹ میں سب سے پہلے درس قرآن حکیم کا اہتمام کیا گیا۔ خوش قسمتی سے اس پروقار تقریب میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین بھی تشریف فرما تھے چنانچہ آپ نے درس قرآن کے ان مبارک پروگرامز کا افتتاح فرمایا۔ اپنے افتتاحی درس قرآن میں سورہ فاتحہ پر خوبصورت، جامع اور اصلاحی گفتگو کرتے ہوئے آپ نے فرمایا کہ سورہ فاتحہ ہم سے تقاضا کرتی ہے کہ ہم کثرت سے اللہ کی حمد وثناء اور اس کا ذکر کریں، اس کی نعمتوں پر شکر بجالائیں، آخرت کا ہمیشہ یاد رکھیں۔ اللہ تعالیٰ کی عبادت وبندگی کبھی ترک نہ کریں، دنیا اور دنیا داروں سے منہ موڑ کر اللہ تعالیٰ کی ذات کو ہی اپنا قبلہ حاجات بنائیں۔ انعام یافتہ، نیک لوگوں کی صحبت اختیار کی جائے اور گمراہ لوگوں سے اعراض کیا جائے۔

مرکزی ناظم اعلیٰ کے درس سے سنی سیکرٹریٹ کی فعالیت کا آغاز ہو چکا تھا اب صوبہ سرحد کے اراکین نے اپنے کام کا آغاز کرنا تھا، چنانچہ جماعت اہل سنت صوبہ سرحد نے باجماعت نمازوں کی ادائیگی کے علاوہ مندرجہ ذیل عنوانات کے ساتھ صوبہ سرحد نے کام شروع کر دیا۔

درس حدیث:

قرآن کے بعد حدیثِ رسول مقبول ہی مومن کا اثاثہ ہے۔ کوئی شخص حدیثِ نبوی ﷺ کے نور سے بے پرواہ ہو کر صراطِ مستقیم کا تعین نہیں کر سکتا، چنانچہ سنی سیکرٹریٹ میں روزانہ بعد نمازِ فجر درسِ حدیث کا اہتمام کیا گیا۔ جماعتِ اہل سنت صوبہ سرحد کے ناظم اعلیٰ علامہ محمد بشیر القادری نے پہلا درسِ حدیث شریف دیا۔ دیگر ایام میں علامہ بشیر القادری کے ساتھ درسِ حدیث ارشاد فرمانے والے علماء میں ادارہ تعلیمات اسلامیہ سے فارغ التحصیل علامہ محمد عمیر عارف، صوبہ سرحد کے امیر علامہ غلام احمد برق اور علامہ آغا عبدالرحمٰن شامل ہیں ہر روز بعد نمازِ فجر درسِ حدیث نے سنی سیکرٹریٹ کی فضاؤں کو نورانی بنادیا۔

محفل ذکر:

الا بذکر للہ تطمئن القلوب ۔ اللہ کے ذکر کے بغیر نہ تو انفرادی طور پر سکون ملتا ہے اور نہ ہی اجتماعی نصرت و کامیابی ممکن ہے، یہی وجہ ہے کہ میدانِ جہاد میں بھی بزرگانِ دین اللہ کے ذکر سے غافل نہیں ہوئے۔ جماعت اہل سنت نے ذکر اللہ کی اہمیت کو سمجھتے ہوئے سنی سیکرٹریٹ میں محفل کا ذکر کا انعقاد کیا، چنانچہ ہر روز نمازِ فجر اور درسِ حدیث شریف کے بعد محفل ذکر کا انعقاد کیا گیا اور ذکر کے بعد انفرادی طور پر نمازِ اشراق ادا کی جاتی رہی۔

درسِ فقہ وسوال و جواب:

روزانہ ساڑھے دس بجے تا 12 بجے دن درسِ فقہ کا اہتمام کیا گیا۔ ڈیرہ اسماعیل خان سے تعلق رکھنے والے حضرت علامہ عبدالقیوم قادری رضوی درسِ فقہ اور پوچھے جانے والے سوالوں کے جواب دینے کے فرائض سرانجام دیتے رہے۔

علماء سے ملاقات ومشاورت:

مرکزی ناظم اعلیٰ کی ہدایت کے مطابق صوبہ سرحد کے اراکین نے علماء سے ملاقات کا سلسلہ بھی شروع کیا، چنانچہ 3 جنوری بروز ہفتہ جماعت کا وفد گوجرانوالہ میں علامہ ابوداؤد حاجی محمد صادق کی خدمت میں حاضر ہوا۔ علامہ صاحب کچھ دنوں سے علیل ہیں، ان کی بیمار پرسی کی گئی اور مرکزی ناظم اعلیٰ کا سلام ودعا پہنچایا گیا۔ مختصر ملاقات میں علامہ ابوداؤد محمد صادق دامت برکاتہم نے بڑی شفقت کا مظاہرہ فرمایا، مرکزی ناظم اعلیٰ کے لئے کتابوں کا تحفہ دیا اور دعا کے ساتھ جماعتِ اہل سنت صوبہ سرحد کے وفد کو رخصت فرمایا۔

سنی سیکرٹریٹ میں مہمانوں کی آمد:

(۱) قاری غلام فرید مدرس جامعہ ہجویریہ:

4 جنوری بروز اتوار دوپہر 1 بجے قاری صاحب سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے۔ انھوں نے فرمایا کہ قرب وجوار کی ضلعی وتحصیلی اور ڈویژنل جماعتیں اپنے اپنے پندرہ روزہ یا ماہانہ مرکز کے تربیتی کنونشن سیکرٹریٹ میں رکھیں تو اس طرح لوگوں کا رابطہ سیکرٹریٹ سے ہوجائے گا۔

(۲) مولانا علامہ عبدالقیوم قادری رضوی ڈیرہ اسماعیل خان:

آپ روزانہ صبح 9 بجے سے 12 بجے تک سیکرٹریٹ میں موجود رہے اور سیکرٹریٹ میں درسِ فقہ دیتے رہے۔

(۳) محترم محمد اشفاق صاحب مانسہرہ: 4 جنوری کو مانسہرہ سے تشریف لانے والے جماعت اہل سنت کے رکن 15 جنوری تک سیکرٹریٹ میں ہی موجود رہے اور سنی سیکرٹریٹ کی تقریبات میں حصہ لیتے رہے۔

(۴) استاذ العلماء مولانا محمد منشا تابش قصوری (لاہور):

4 جنوری کو شام 4 بجے آپ سیکرٹریٹ میں تشریف لائے نمازِ عصر ان کی اقتداء میں ادا کی گئی۔ آپ نے اپنی کتابوں کا سیٹ بھی عنایت فرمایا۔ آپ نے مندرجہ ذیل تجاویز وآرا سے نوازا۔

(1) فی الفور چند طلباء کو یہاں پر رکھا جائے اور ان کے لئے ایک مدرس معین کیا جائے۔

(2) مسجد کو فوراً آباد کیا جائے روزِ جمعہ شروع کیا جائے قائدین جماعت اہل سنت خود ایک ایک جمعہ پڑھائیں اور اس کے لئے خوب اشتہاروں کے ساتھ تشہیر کی جائے۔

(3) عید کے اجتماعات بھی کئے جائیں اور اجتماعی قربانیاں بھی کی جائیں۔

(4) جن لوگوں سے زمین خریدی گئی ہے۔ انہیں بھی اور گردونواح کے دیگر سرکردہ لوگوں کو بھی جماعت کے پروگراموں میں مدعو کیا جائے۔

(5) مسجد میں لاؤڈ سپیکر لگا کر درس قرآن شروع کیا جائے اور درس قرآن حوالے سے ایک بورڈ بنوا کر باہر روڈ پر سامنے نصب کیا جائے۔

(6) سکول کا قیام خوش آئند ہے مگر اس کا معیار اچھا ہو اور مناسب فیس بھی ضرور رکھی جائے، اس کے لئے درست منصوبہ بندی کی جائے اور

WWW.NAFSEISLAM.COM

ان کاموں کو فی الفور شروع کیا جائے۔
(7) قبلہ شاہ کی وجہ سے ہی اہل سنت کو یہ عظیم جگہ ملی ہے اور انشاء اللہ انہی کی وجہ سے یہ آباد بھی ہوگی۔

(۵) علامہ مولانا محمد عارفین و مولانا محمد میر زمان (ایبٹ آباد):

6 جنوری کو ایبٹ آباد سے دونوں رہنما سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور درج ذیل آراء سے مستفید فرمایا:
۱۔ سیکرٹریٹ میں مدرسے کا قیام عمل میں لایا جائے
۲۔ سیکرٹریٹ کی مسجد کو جلد فعال کیا جائے
۳۔ ہزارہ ڈویژن میں بھی اسی طرح کا ایک سیکرٹریٹ تعمیر کیا جائے

(۶) مولانا محمد شوکت (ہری پور):

6 جنوری کو ہی ہری پور سے تعلق رکھنے والے جماعت اہل سنت کے رہنما مولانا محمد شوکت صاحب تشریف لائے، سنی سیکرٹریٹ کو دیکھ کر خوشی کا اظہار فرمایا اور کہا کہ بچوں کا مدرسہ از جلد شروع کیا جائے۔

(۷) محترم جناب عبدالسلام (ایبٹ آباد):

7 جنوری کو عصر کے وقت ایبٹ آباد سے محترم جناب عبدالسلام صاحب تشریف لائے۔

(۸) محترم محمد حنیف عباسی (چیف آرگنائزر ایبٹ آباد):

8 جنوری کو سنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور سیکرٹریٹ میں جاری دینی و ملی سرگرمیوں کو سراہا۔

(۹) مولانا محمد ضیاء الحق رضا (ناظم اعلیٰ سیالکوٹ):

8 جنوری مغرب کے وقت سیکرٹریٹ میں تشریف لائے اور رات گئے تک سیکرٹریٹ میں موجود رہے۔ سیکرٹریٹ کی عمارت، مسجد و دیگر شعبہ جات پر اطمینان اور خوشی کا اظہار فرمایا۔

(۱۰) مولانا قاری نذیر چشتی، مولانا داؤد رضوی، علامہ ابن اکرم رضوی، مولانا عبدالقادری صاحب:

۹ جنوری بروز جمعہ سیکرٹریٹ میں بصورت وفد تشریف لائے۔

(۱۱) پیر سید ریاض حسین شاہ (مرکزی ناظم اعلیٰ)

اتفاق مسجد لاہور میں جمعہ پڑھا کر اور دیگر مصروفیات کے بعد مرکزی ناظم اعلیٰ سنی سیکرٹریٹ میں تشریف فرما ہوئے اور سیکرٹریٹ میں موجود علماء کے وفد سے ملاقات فرمائی۔ اسی اثنا میں

(۱۲) میاں محمد حنفی سیفی:

راوی ریان سے سلسلہ سیفیہ کے معروف روحانی پیشوا تشریف لائے اور مرکزی ناظم اعلیٰ سے ملاقات کی۔

(۱۳) علامہ آغا عبدالرحمان (ناظم اعلیٰ ہزارہ ڈویژن)، مولانا قاری سعید (ہزارہ ڈویژن):

دس جنوری ہفتہ سُنی سیکرٹریٹ میں تشریف لائے۔ آپ نے تجاویز دیتے ہوئے فرمایا کہ سُنی سیکرٹریٹ کی چاروں صوبوں میں شاخیں ہونی چاہئیں۔ مرکزی ناظم اعلیٰ نے ایبٹ آباد میں جو مسجد بنائی ہے، اس میں سنی سیکرٹریٹ کا دفتر بنا دینا چاہئے۔ انہوں نے بتایا کہ ہزارہ ڈویژن میں جماعت اہل سنت کا کام تیزی سے پھیل رہا ہے اور لوگوں میں شعور اجاگر ہو رہا ہے۔ انہوں نے بتایا کہ سُنی کانفرنس راولپنڈی میں 75 سے زائد گاڑیاں ہزارہ سے شریک ہوئی تھیں۔ علامہ آغا عبدالرحمان نے سنی سیکرٹریٹ میں درس بھی ارشاد فرمائے۔ آپ بقیہ دنوں سیکرٹریٹ میں ہی تشریف فرما رہے۔

(۱۴) مولانا غلام احمد برق:

صوبہ سرحد کے امیر مولانا غلام احمد برق صاحب سنی سیکرٹریٹ میں ایک ہفتہ قیام پذیر رہے اور واپسی پر آپ نے تاثراتی کتاب میں لکھا:

> ''سُنی سیکرٹریٹ ایک بہت ہی موزوں جگہ پر تعمیر کی گئی ہے۔ یہاں پر اگر ایک جامعہ کی بنیاد رکھوا دی گئی تو انشاء اللہ بہت فائدہ ہوگا اور ہر سُو سے سنیوں کی آمد شروع ہو جائے گی۔ جامعہ سے جو رقم حاصل ہوں گی اس کو اگر سیکرٹریٹ کی تعمیر پر لگایا جائے تو مزید ترقی کے موجب ہوگا۔ جن حضرات نے یہ نیک سوچ سوچی اور اس کو عملی جامہ پہنایا ہے، اللہ تعالیٰ ان کو جزائے خیر نصیب فرمائے اور دین و دنیا میں سرخرو فرمائے۔ آمین ثم آمین۔ بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

جماعت اہل سنت پنجاب کی صوبائی انتظامیہ کا اجلاس:

14 جنوری کوظہر کے بعد پنجاب انتظامیہ کا ہنگامی اجلاس سُنی سیکرٹریٹ میں منعقد ہوا۔جس میں تقریباً تیس کے قریب صوبائی قائدین نے شرکت کی۔ اجلاس مغرب تک جاری رہا۔ اجلاس میں مفتی محمد اقبال چشتی صوبائی ناظم اعلیٰ، علامہ خالد محمود ڈسکہ صوبائی امیر، پروفیسر عبد العزیز نیازی، قاری نذیر احمد قادری، قاری فیروز صدیقی، مولانا محمد سلیم ہمدمی ودیگر نے شرکت کی۔صوبائی قائدین نے کہا کہ صوبہ سرحد سے اتنے علماء ومشائخ کا پندرہ دنوں کے لئے اپنے آپ کو سُنی سیکرٹریٹ کے لئے وقف کر دینا صرف اور صرف شاہ جی سے محبت کا ایک انداز ہے۔

15 جنوری:

اس طرح پندرہ جنوری کو باجماعت نماز فجر، درس حدیث، محفل ذکر، درس قرآن اور اشراق کی نماز کی ادائیگی حسب معمول کرنے کے بعد صوبہ سرحد سے تشریف لانے والے علماء ومشائخ کا یہ وفد روانگی کے لئے تیار تھا۔15 دنوں کے لئے انہوں نے سُنی سیکرٹریٹ میں جو رونقیں لگائی تھیں ان پر سُنی سیکرٹریٹ کا عملہ اور مقامی قائدین سبھی ان کا شکریہ ادا کر کے انہیں رخصت کر رہے تھے۔صوبائی امیر مولانا غلام احمد برق نے اس موقع پر فرمایا کہ مرکزی ناظم اعلیٰ نے سُنی سیکرٹریٹ میں عملہ بہت مخلص اور بااخلاق رکھا ہے۔ان 15 دنوں میں ہمیں کوئی تکلیف نہیں ہوئی۔ بالکل گھر والا ماحول میسر آیا ہے۔ اللہ اس سُنی سیکرٹریٹ کی رونقوں کو بحال رکھے اور دین اسلام کی خدمت کا جذبہ ہر مسلمان کے دل میں پیدا کرے۔

سکول کی عمارت کی تعمیر کا افتتاح:

قوم وملت کی تعلیم وتربیت کا اہتمام جماعت اہل سنت کے اولین مقاصد میں شامل ہے۔ اسی مقصد کو پیش نظر رکھتے ہوئے سُنی سیکرٹریٹ میں ایک سکول کی تعمیر کا منصوبہ بنایا گیا، چنانچہ 24 جنوری کو جماعت اہل سنت کے مرکزی امیر پروفیسر سید مظہر سعید کاظمی نے سکول کی تعمیر کا افتتاح فرمایا۔ اس پروقار تقریب میں مرکزی ناظم اعلیٰ پیر سید ریاض حسین شاہ، عبدالرزاق ساجد، حاجی حنیف طیب، علامہ ثاقب رضا مصطفائی، مفتی محمد اقبال چشتی، محمد احمد، حمزہ مصطفائی ودیگر رہنما بھی موجود تھے۔

☆☆☆

WWW.NAFSEISLAM.COM

قبلہ نمائے عاشقاں وخضرِ راہ منزلِ روحانیت

حاجی احسان الٰہی نقشبندی (ایم اے، ایم ایڈ)

اتفاق مسجد لاہور میں 8۔جنوری 2009ء انگریزی ماہ کی دوسری جمعرات بعد نماز عشاء انعقاد پذیر ہونے والی ماہانہ محفلِ ذکر اس دفعہ اس لحاظ سے منفرد اور دل نواز تھی کہ اتفاق سے اس روز 10 محرم الحرام کا تاریخ ساز دن تھا۔حضرت شاہ جی کے فرمان کے مطابق شہدائے کربلا کی یاد اور بلندئ درجات کے لئے بعد نماز عشاء قرآن خوانی کی گئی۔تھکاوٹ اور ناسازئ طبع کے باوجود شاہ جی نے اس روحانی اور وجدانی محفل میں محرم الحرام کی مناسبت سے شہادت امام حسین پاک ؑ کے حوالے سے پر معزز، مدلّل اور عشق و محبت سے لبریز سیر حاصل علمی گفتگو فرمائی کہ امام پاک ؑ نے اپنے نانا کے دین اور اپنے بابا مولا ؑ کے علم کو زندہ و تابندہ اور حقیقی و ابدی حیات بخشنے کے لئے کس طرح اپنا تن، من، دھن راہ خدا میں قربان کر دیا اور قیامت تک کے لئے اسلام اور دین محمدی ﷺ کو منزلِ بقا تک رسائی دے دی۔کربلا کے میدان میں جاں گسل تپتی اور دہکتی ریت کے صحراء میں اپنے جگر گوشوں، اہل خانہ اور راہِ وفا کے ہمراہیوں کے تڑپتی لاشوں کے نذرانے پیش کیے اور چرخ نیلی فام نے معصوم بچوں، معصوم بہنوں اور بیمار زین العابدین ؑ کے صبر، شکر و رضا کے منظر اور نظارے ملاحظہ کئے لیکن امام پاک ؑ نے حمایت حق اور سچ کے لئے ہر قسم کی پیش کشوں کو دھتکارا اور ٹھکرا کر آزمائش کی ان ساعتوں میں ذرہ بھر لرزش نہ دکھائی۔اسلام کی سربلندی، دین حق اور اپنے نانا جان کی تعلیمات اور مشن پر آنچ نہ آنے دی۔حق، خیر، فلاح، بھلائی اور توحید و رسالت کا پرچم سرنگوں نہ ہونے دیا۔الحاد، کفر و شرک اور شر کی باطل قوتوں کے سامنے سینہ سپر ہو کر فولادی قوت کی طرح ڈٹ گئے اور اپنے رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔امام پاک ؑ کا جسم مبارک تیروں، نیزوں، برچھیوں سے چور چور تھا، لیکن آپ بڑی جوانمردی، استقلال اور بے باکی سے آخری سانس تک یزیدیت کا گلا گھونٹتے رہے۔جب آپ شہادت کا جام نوش فرما رہے تھے۔آپ کے نانا جان، بابا جان، اور مادرِ سالارِ عشق، والدہ پر کارِ محبت آپ کا استقبال کر رہے تھے۔اس وقت آپ سجدے میں گرے، اپنے آقا و مولا کے حضور نماز اور سجدہ شکر ادا فرما رہے تھے۔یزیدیت نے جب آپ کا سر مبارک تن سے جدا کیا۔سرِ مبارک سے قرآنی آیات کی تلاوت کی آوازیں سنائی دے رہی تھیں۔لعنتی لعین، پلید یزید نے جس اسلام کو مٹانے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور ہر حربہ آزمایا، وہ اتنا ہی اور زیادہ قد آور، طاقتور اور مسلم الثبوت حقیقت بن گیا۔

قتلِ حسین اصل میں مرگ یزید ہے
اسلام زندہ ہوتا ہے ہر کربلا کے بعد

کے تناظر میں دیکھا جائے تو آج یزید اور اس کے خاندان یا نسل کا نام و نشان تک دکھائی نہیں دیتا اور اس مردود بے غیرت یزید کی قبر پر کتے اور بلیاں بھی اسے گندگی کا ڈھیر سمجھ کر پیشاب کرتے ہیں اور اس کا نام رکھنا کوئی بھی شخص گوارا اور پسند نہیں کرتا بلکہ تا قیام دنیا اسے شدید نفرت اور حقارت کی علامت قرار دیا جاتا ہے، جبکہ امام پاک ؑ کی نسلِ پاک سادات عُظّام کے روپ میں دنیا کے کونے کونے میں موجود انسانیت کو اپنے لطف و کرم اور فیضان نسبت کی برکات اور خیرات بانٹ رہی ہے۔امام پاک ؑ کے مزار مبارک پر ہر روز اطرافِ عالم سے عشاق کشاں کشاں کثیر تعداد میں کھنچے چلے آتے ہیں اور وہاں حاضری دینا اپنے لئے باعث نجات و اجر و ثواب اور دین و دنیا کی سرخروئی کا اصل سبب متصور کرتے ہیں۔ان کے پائنتا نے چند لمحے بیٹھ کر عمر بھر کا روگ ختم کر لیتے ہیں۔پھولوں اور گلدستوں کے نذرانے پیش کرتے اور اپنے نام کے ساتھ حسین نام ملانا باعثِ برکت، عزت و عظمت گردانتے ہیں۔شاہ جی نے محفل ذکر کی اس بابرکت محفل میں حاضرین و سامعین سے سوالیہ انداز میں مخاطب ہوتے ہوئے فرمایا کہ کیا امام پاک ؑ، اس کے کنبہ اور ہمراہیوں کی لاشوں پر گھوڑے دوڑا کر، عبداللہ بن زبیر کی لاش کو مکہ کے چوک میں لٹکا کر، مصر میں محمد بن ابی بکر کی کھال میں غلاظت بھر کر، پیر سمیع اللہ کی ننگی نعش کو درخت پر لٹکا کر، خودکش حملوں میں قتل کے بعد نعشوں کو فٹ بال بنا کر اور پیشاب کر کے، کیا اسلام اور دینِ محمدی ﷺ مٹ گیا؟ فتح کس کی ہوئی؟ جھنڈا کس کا بلند ہوا؟ قیامت تک کے لئے حیاتِ جاوداں کس کو ملی؟ جنت و کوثر کے مالک کون بنے؟ قد آور کون ہوا؟ امام حسین پاک ؑ یا یزید؟

امام پاک ؑ اس معرکہ حق و باطل میں سرخرو کیوں نہ ہوتے۔آپ کے دہن مبارک نے اپنے نانا جان کی زبان اور لعاب دہن کی چاشنیوں، لطافتوں، لذتوں اور لمسوں کے وہ جام نوش جا فرمائے تھے جن پر جنتوں کے دودھ اور شہد بھی رشک کرتے ہیں۔جن نواسوں نے سرکار دو عالم ﷺ اور اپنے نانا جان کے مبارک کندھوں کی سواری کے جھولے لئے ہوں۔آپ کے آغوش محبت کے مزے اور تربیت کے اسرار و رموز سیکھے ہوں۔انہیں کون سرنگوں کر سکتا ہے۔کتابِ عشق کے اوراق کا مطالعہ کرنے سے یہ بات روزِ روشن کی طرح عیاں اور واضح دکھائی دیتی ہے کہ مٹانے والے خود مٹ گئے اور اپنی کمینگی و خِست کی غار میں ہمیشہ کے لئے اتر گئے، لیکن امام حسیپاک ؑ کی مستقل مہمیز سے اسلام اور دین محمدی ﷺ کا پھریرا بے حدتب و تاب سے لہراتا رہے گا۔

شاہ است حسین پادشاہ است حسین

WWW.NAFSEISLAM.COM

دیں است حسین دین پناہ است حسین
سرداد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

کے مصداق ایسے پاکیزہ، رشک تقدس، سراپا طہارت ہاتھ لعنتی، شرابی، زانی اور فسق وفجور سے اٹے مریل، گندے، غلیظ اور پلید ہاتھ کو کیسے چھو سکتے ہیں۔اس محفل میں محرم الحرام کے سیاق وسباق کے تناظر میں شاہ جی کے خطاب کے اندازِ بیان میں روانی، تسلسل اور موقع محل کی مناسبت سے بچے تلے سنہری لفظوں کا فی البدیہہ نزول سامعین کو میدانِ کربلا کے تپتے صحراؤں میں معرکہ حق و باطل ملاحظہ کروا رہا تھا اور سامعین سوز وگداز اور اشکبار آنکھوں سے لبریز شاہ جی کے چہرے کی زیارت کر رہے تھے۔خطاب کے بعد چند دوستوں نے شاہ جی سے بیعت ہونے کا شرف حاصل کیا۔بیعت کے سلسلہ میں آپ نے اظہارِ خیال کرتے ہوئے فرمایا کہ تمام سلاسل کی نسبتوں کا فیض یکساں ہے۔سلسلہ نقشبندیہ کے دس نکات بھی آپ نے بیان فرمائے جن پر عمل پیرا ہونے سے روحانی نسبتوں کے فیوض وبرکات کا رنگ مزید گہرا ہو جاتا ہے۔

1۔اچھے کپڑے پہننا اور طہارت کا خیال رکھنا
2۔مرشد کی اطاعت
3۔روحانی مراقبہ
4۔خفی اور دائمی ذکر
5۔مناجات
6۔سنت کی پابندی
7۔انتہائی ادب اور خدمت
8۔فکرِ آخرت
9۔اپنے آپ کی ملامت (یعنی اپنی نفی کر کے دوسرے کو بہتر جاننا)

بیعت کے بعد خفی ذکر سے دلوں کو منور کیا گیا اور پھر آخر میں مغز عبادت دعا کے مناظر اور کیفیات کو لفظوں اور تحریر کا جامہ پہنانا کم از کم مجھ جیسے کم علم کے بس کی بات نہیں۔روحانی لطافتوں کا نقطہ عروج، عشق ومحبت کی معراج، عجز ونیاز کے روپ میں ہر آنکھ اشکبار اور نمناک۔اس ضمن میں مجھے ماہنامہ دلیل راہ میں حافظ شیخ محمد قاسم کی تحریر کا ایک اقتباس اچھا لگا اور پسند آیا کہ ہنس مکھ، شگفتہ مزاج اور زعفران طبیعت شاہ جی جب دعا کر رہے ہوں لگتا ہے کسی نے انہیں ٹکٹکی پہ چڑھا دیا ہو۔ایسے الفاظ صرف حافظ قاسم جیسے لوگ ہی استعمال کر سکتے ہیں۔میری نظر میں شاہ جی جب دعا کے لئے ہاتھ اٹھاتے ہیں تو ایسے لگتا ہے جیسے مکین لا مکاں تک رسائی حاصل کر کے عطائیگی قدرت سے مالا مال ہو چکے ہوں۔دعا کا سماں دیدنی ہوتا ہے۔آپ بارگاہِ رب العزت میں عجز وانکساری کا پیکر بنے، واقعی مستحق سوالی طرح گڑگڑاتے جاتے ہیں اور ضد کرتے ہیں کہ مولا، یہ عطا فرما دے نا، یہ دے دے نا، خیرات جھولی میں ڈال دے نا، جیسے الفاظ قلب وروح میں کھبتے چلے جاتے ہیں۔اپنی ذات کی نفی کرتے ہوئے فرما رہے ہوتے ہیں۔اے رب! یہاں جو بندہ تجھے سب سے زیادہ پسند اور مقبول ہے اس کی وجہ سے معاف فرما دے۔شاہ جی نے ایک موقع پر محفلِ ذکر میں یہ بھی فرمایا حرام ہے وہ دن جس دن میں آپ لوگوں کے لئے دعا نہ کروں، آپ میرے جگر کے ٹکڑے ہیں، مجھے اپنے بچوں سے بھی زیادہ پیارے اور عزیز ہیں۔اللہ! اللہ! کیا محبت خلوص، اپنائیت، قرب کے احساسات ہیں جو شاہ جی اپنے چاہنے والوں کے بارے میں رکھتے ہیں۔رحمٰن، رحیم، کریم، غفار اور ستار اللہ اگر ایسی دعائیں قبول نہیں فرمائے گا تو پھر کون سی دعائیں باعثِ قبولیت ہوں گی۔

روزِ اول سے ہی خیر اور شر کا تضاد چلا آ رہا ہے۔اس مادی دنیا میں افراتفری، منافقت، ظلم وبربریت، جبر وتشدد، سفاکی، بے ایمانی، خوف وہراس، حرص وہوس، بے راہ روی، منشیات جیسی قبیح عادات شر کی آماجگاہ ہیں اور انسانیت کے لئے ناسور اور زہر ہلاہل ہیں وہاں امن وآشتی، چین وسکون کی فضا مکدر کرنے کا موجب بھی ہیں۔بے چینی وبے سکونی کے ماحول نے بنی نوع انسان کی انسانیت کو سبوتاژ کر دیا ہے۔آرائش وزیبائش اور نمود ونمائش کی دوڑ نے خون سفید کر دیے ہیں۔دولت کی چکا چوند نے تمام اخلاقی وروحانی اقدار پامال کر دی ہیں۔ظلم وبربریت کے گھوڑے ہر سمت بلا خوف وخطر دوڑائے جا رہے ہیں۔عدل وانصاف کے بخیے ادھیڑے جا رہے ہیں، غربت، بے روزگاری اور ہوشربا

Nafse Islam
WWW.NAFSEISLAM.COM

مہنگائی نے زندگی اجیرن کر رکھی ہے۔ امیر امیر تر اور غریب غریب تر کی تفریق کا عمل جاری وساری ہے۔ دہشت گردی اور خودکش حملوں کے سبب ہر آدمی مستقل خوف زدگی کا شکار ہے۔ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ، موبائل کی آڑ میں نوجوان نسل جنسی بے راہ روی، فحاشی، عریانیت اور اخلاقی اقدار کی گراوٹ کی سیاہ تاریکیوں میں گم ہوتی جا رہی ہے۔ رشوت اور سفارش نے میرٹ اور انصاف کی دھجیاں اڑا دی ہیں۔ ''اونٹ رے اونٹ تیری کون سی کل سیدھی'' والی صورتحال پیدا ہو چکی ہے۔ حالات دن بدن بد سے بدتر اور دگرگوں ہوتے جا رہے ہیں۔ امراء دولت کی ریل پیل، بنگلوں، پلازوں، لگژری گاڑیوں اور وی آئی پی ماحول کے باوجود بے سکون، بے چین، ڈیپریشن اور مختلف بیماریوں میں جکڑے ہوئے ہیں جبکہ غرباء اپنے خاندان کی کفالت، روزی کے حصول اور سسکتے بلکتے بیمار بچوں کی آہ و بکا کے ہاتھوں بے بس، بے سکون اذیت ناک زندگی گزارنے پر مجبور ہیں۔ حکمران اور بااختیار طبقہ حسینیت اور حق گوئی و بے باکی کا سبق اور تاریخ بھول کر اپنی بقا اور سلامتی کے لئے یزیدیت کے پیروکاروں کے کاسہ لیس نظر آتے ہیں اور انہیں اپنا معبود اور نجات دہندہ تصور کرتے ہیں۔ ان تمام آلائشوں، آزمائشوں، پریشانیوں اور بے سکونیوں کی اصل وجہ بزرگ ہستیوں اور درسِ حسینیت سے کنارہ کشی ہے۔ ان موذی اور مہلک امراض کی مکمل شفایابی کا راز صرف روحانی شفاخانوں میں ہی مضمر ہے۔ خیر کو شر پر غالب کرنے کا حل اسلام کی اصل روح کو سمجھنے اور اپنانے میں ہے۔ خیر کی ایک معمولی سی دمق میں شر کی بھڑکتی چنگاریوں اور شعلوں کو بھسم کرنے کی ناقابل تسخیر طاقت موجزن ہے۔ خوفِ خدا سے انسان کے آنسو کا ایک چھوٹا سا قطرہ نارِ جہنم کو گل وگلزار بنانے کا فن جانتا ہے۔ دنیاوی و آخرت کی کامیابیوں و کامرانیوں کی سند صرف اللہ والوں سے ناطہ جوڑنے اور ان کے دامانِ عصمت سے تمسک پیدا کرنے سے ملتی ہے۔ جو کوئی ان سے جڑ گیا ان کی دین و دنیا سنور اور نکھر گئی۔ ابدی و روحانی سکون ان کا مقدر بن جاتا ہے، پھر وہ شاہی کروفر، تمکنت، جاہ وجلال، رعب و دبدبہ اور شان وشوکت کو اپنے پاؤں کی جوتی کی نوک پر بھی نہیں رکھتے۔

نگاہِ ولی میں وہ تاثیر دیکھی
بدلتی ہزاروں کی تقدیر دیکھی

کی روشنی میں داتا علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ، بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ، نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ، بہاؤ الحق ذکریا رحمۃ اللہ علیہ، شاہ شمس تبریز رحمۃ اللہ علیہ، لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ، میاں محمد بخش رحمۃ اللہ علیہ، خواجہ غلام فرید رحمۃ اللہ علیہ، سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ، حضرت مجدد الف ثانی رحمۃ اللہ علیہ، شہاب الدین غوری رحمۃ اللہ علیہ، فضل حق خیر آبادی جیسی ان گنت اولوالعزم، عظیم اور جلیل القدر ہستیوں کے وجود اور دم قدم سے ہی کائنات ہستی میں چاردانگِ عالم اسلام کا بول بالا اور ڈنکا بج رہا ہے اور قیامت تک بجتا رہے گا۔ ان ہستیوں نے توحید پرستی، رسالت مآب ﷺ کی تعلیمات کے جگمگاتے فرامین اور قرآن کی عملی تفسیر کے نمونے دنیا کے کونے کونے میں پھیلائے بلکہ ان مجذوبوں، فقیروں، درویشوں اور اہل اللہ کی گدڑیوں، روش و تابندہ چہروں کی آب و تاب میں وہ راز، گہرائیاں اور گوہر نایاب موجود ہوتے ہیں کہ وہ مادرِ گیتی کے سینے پر لازوال، انمٹ، پاکیزہ، روحانی ولافانی سنہرے نقوش ثبت کر دیتے ہیں۔ ہر دور اور زمانے میں اولیائے کرام، مشائخ عظام، علماء، خطباء حضرات قیامت تک کے لئے اس شمع کو روشن رکھنے کا فریضہ سر انجام دیتے رہیں گے۔ خیر کے یہ وافر اور وسیع انتظامات ہمیشہ وقت کے نمرودوں، فرعونوں، شدادوں، قارونوں اور یزیدوں کے شر کو کچلتے، مسلتے اور مٹاتے رہیں گے۔

قحط الرجال کے عصرِ حاضر میں ان برگزیدہ، متقی وصالح ہستیوں میں رازی رحمۃ اللہ علیہ وغزالی رحمۃ اللہ علیہ کے روپ میں مفکر اسلام، مفسر قرآن، شیخ الاسلام، پیر طریقت علامہ سید ریاض حسین شاہ مدظلہ العالی آف راولپنڈی کی شخصیت سب سے نمایاں اور قد آور دکھائی دیتی ہے۔ آپ نہایت ملنسار، ہنس مکھ، ہمدرد، شگفتہ مزاج، قول وفعل کے پکے اور سچے علم وعرفان کے سمندر، رشد وہدایت کی مسند کے علمبردار، دورِ حاضر کے نبض شناس، عشقِ رسول ﷺ سے سراپا معمور اور ملتِ اسلامیہ کے سر کا تاج ہیں۔ آپ کی نشست و برخاست، قیام وطعام، سونا جاگنا ودیگر معمولات سنت رسول اللہ ﷺ کے آئینہ دار اور پاسبان ہیں۔ اپنا سب کچھ دین مبین کی سربلندی کے لئے وقف کر رکھا ہے۔ ادارہ تعلیمات اسلامیہ راولپنڈی سے اب تک سینکڑوں نہیں بلکہ ہزاروں طالب علم مختلف دینی ودنیوی علوم سے استفادہ کر کے عوام الناس کو دنیا کے کونے کونے میں علم کی روشنی پھیلا کر اسلامی انقلاب کا باعث بن رہے ہیں۔ تبلیغی وتنظیمی سرگرمیوں کے پیش نظر حضرت شاہ جی اکثر سفر میں رہتے ہیں۔ اپنی گاڑی سے بہت سے کام لے لیتے ہیں۔ وقت ملے تو مطالعہ، تصنیف وتالیف، مراقبہ، وظائف، ذکر اذکار گاڑی میں بھی کر لیتے ہیں۔ آرام کی ضرورت محسوس فرمائیں تو گاڑی ہی کو بہتر سمجھ کر کچھ دیر سو بھی لیتے ہیں، وگرنہ آپ بہت کم سوتے ہیں۔ وقت کا ایک سیکنڈ بھی ضائع نہیں فرماتے۔ کسی پر خود خرچ کر ڈالتے ہیں لیکن کسی سے خرچ نہیں کرواتے۔ دینی اور فلاحی کاموں میں اپنی گرہ سے حتی المقدور

خرچ کرتے رہتے ہیں۔ کسی کو کرب، مشکل اور پریشانی میں نہیں دیکھ سکتے۔ دعوت قبول فرمالیتے ہیں اور غریب سنگیوں کے گھروں میں تشریف لے جانا زیادہ پسند فرماتے ہیں اور تکلفات سے منع فرماتے ہیں۔ تصنع، بناوٹ اور نمود و نمائش کو اچھا نہیں سمجھتے۔ جو ملے زندگی کی حرارت قائم رکھنے کے لئے چند لقمے تناول فرمالیتے ہیں۔ مرغن اور انواع واقسام کے کھانوں کے شوقین نہیں ہیں، عرصہ کم وبیش اکیس سال سے اہالیانِ لاہور اور قرب وجوار کو اپنی محبتوں، چاہتوں، قربتوں، مسکراہٹوں، زیارتوں اور دعاؤں کی سوغاتیں اور تحفے تقسیم فرمارہے ہیں اور تشنگانِ طلبِ راہِ حق کے پیاسوں کو رشد و ہدایت کے چشموں سے سیراب کررہے ہیں۔ ہر مکتبہ فکر کے لوگ آپ کی اقتداء میں نمازِ جمعہ ادا کرنے آتے ہیں، جو کوئی ایک دفعہ آپ کی زیارت کرلیتا ہے اور نمازِ جمعہ کی ادائیگی کرلیتا ہے وہ پھر آپ ہی کا گرویدہ اور عاشق بن جاتا ہے اور اگلے جمعہ کا بڑی بے صبری اور بے قراری سے انتظار شروع کردیتا ہے۔ 40 منٹ دورانیے کے خطاب کا ایک ایک لفظ سامعین کے اذہان وقلوب میں اترتا اور کھبتا چلا جاتا ہے۔ اندازِ گفتگو اتنا پروقار اور پرتاثیر ہوتا ہے کہ سامعین گوش برآواز ہوجاتے ہیں جیسے سکتے کا عالم ہو۔ بات کو سمجھانے اور آسان فہم بنانے کے لئے شاہ جی جب مثالوں، تشبیہوں اور استعاروں کا بروقت استعمال کرتے ہیں تو ماحول اور منظر کشی کا ایسا سماں بندھ جاتا ہے جیسے واقعات اور کیفیات ہماری آنکھوں کے سامنے ہیں۔ یہ خداداد صلاحیت صرف آپ ہی کا طرہ امتیاز ہے۔ فصاحت وبلاغت کا سمندر موجزن اور ٹھاٹھیں مار رہا ہوتا ہے اور جوار بھاٹے حکایاتِ عشق ومحبت کی معرفت کا راز جاننے کے لئے خوابِ غفلت میں ڈوبے ہوئے افرادِ ملت کو دعوتِ عمل پر اکسار ہے ہوتے ہیں۔ جی چاہتا ہے شاہ جی بولتے جائیں اور ہم سنتے چلے جائیں لیکن وقت کا بے رحم سایہ روحانی تشنگی کا احساس باقی رکھے اگلے جمعہ کے انتظار کا عندیہ دے دیتا ہے اس حقیر، فقیر سے بعض دوست اکثر یہ کہتے ہیں کہ آپ جمعہ پڑھنے کے لئے لاہور جاتے ہیں کیا آپ کا جمعہ یہاں قصور میں نہیں ہوتا میں فوراً کہہ دیتا ہوں کہ میرا جمعہ قصور میں نہیں ہوتا۔ میرے مرشد ومربی شاہ جی جمعہ پڑھانے کے لئے پنڈی سے لاہور تشریف لائیں اور میں قصور سے لاہور تک نہ پہنچوں۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے؟ اگر کبھی شاہ جی تبلیغی سرگرمیوں وغیرہ کے لئے یا حج وغیرہ کے لئے بیرونِ ملک تشریف لے جائیں تو جان کو بن آتی ہے۔ وقت کٹے نہیں کٹتا۔ افسردگی اور پژمردگی چھا جاتی ہے اور آپ کا خلا سوہانِ قلب وروح بن جاتا ہے جیسے مچھلی پانی کے بغیر تڑپتی ہے پھر دل وجان سے فی البدیہہ یہ دعائیں اور کلمات لب پہ آجاتے ہیں کہ شاہ جی کامیابیوں وکامرانیوں کے ساتھ بخیر وعافیت جلد ہمارے درمیان موجود ہوں اور ہمیں اپنی آغوشِ محبت میں لے لیں اور پرسہ دینے لگ جائیں کہ اصل بات بتاؤں کہ آپ کے بغیر میرا بھی دل نہیں لگا اور میں بھی اداس رہا۔ حضرت شاہ جی بہت سی کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ کی تحریروں کا ایک ایک لفظ، ایک ایک حرف قاری کے دل کی عطا گہرائیوں میں روشنیاں اور اجالے بکھیرتا چلا جاتا ہے۔ تبصرہ سورۃ یوسف وسورۃ یٰسین، معجم اصطلاحات، لوح وقلم تیرے ہیں، صبح زندگی، صغیرِ انقلاب، سراغِ زندگی، حقیقت تقویٰ، میلاد النبی ﷺ، پروقار محبت، مفاہیم قرآن۔ آپ کی معرکۃ الاراء اور انقلاب انگیز تصانیف ہیں۔ حال ہی میں آپ نے اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم اور حضور ﷺ کی خاص لطف وعنایت سے قرآن مجید، فرقان حمید کا آسان فہم اردو ترجمہ قارئین کو تحفہ میں دیا ہے۔ سنابلِ نور حضرت قبلہ شاہ جی کی ایک نہایت ہی شاہکار، عمدہ، خوبصورت اور قابلِ رشک تصنیف ہے جو کہ آپ نے اپنے مرشد کریم حضرت لالہ جی محمد جمشید قدس سرہ العزیز کے نام کی ہے۔ اس نادر اور منفرد تصنیف میں محافلِ نور کی حکایات مہر ومحبت کے سمندر میں غوطہ زن ہونے کے مواقع موجود ہیں۔ اس کے علاوہ صحابہ کرام رضوان اللہ اجمعین کی رشک فلک اور ایمان افروز زندگیوں پر مشتمل بے شمار پمفلٹ ٹائپ کتب پڑھنے والوں کو عشق کی منزلوں کی معراج کروادیتی ہے۔ ماہنامہ دلیلِ راہ حضرت قبلہ شاہ جی کی ایک زندہ وجاوید کرامت ہے۔ اس کا اپنا ایک الگ انداز اور مقام ہے۔ قارئین ہر ماہ اس کا شدت سے انتظار کرتے ہیں۔ دلیلِ راہ اسلامی انقلاب کے لئے سلگتے جذبوں کا تحریری اظہار ہے۔ خاص طور پر گفتنی وناگفتنی کے عنوان سے شاہ جی کی شیر کی دھار جیسی تحریریں جابر سلطان کے سامنے کلمہ حق کہنے کے مترادف ہیں۔ جس میں آپ بلا حیل وحجت، بلا خوف وخطر نغمہ حق بلند کرتے ہوئے ظالم وجابر وچالباز حکمرانوں کی مکاریوں اور منافقانہ رویوں کو بے نقاب کرکے ان کی مذمت کرتے ہوئے جہاد کئے چلے جاتے ہیں اور مردہ ضمیروں کو جھنجھوڑتے چلے جاتے ہیں اور ان کے قول وفعل کے تضاد کی نشاندہی کرکے آئینہ دکھاتے چلے جاتے ہیں۔ اس پاداش میں کئی بار قید وبند کی صعوبتیں بھی برداشت کرچکے ہیں، لیکن نغمہ حق کی صدا کو بلند سے بلند تر کرنا آپ کو اپنی جان سے بھی زیادہ عزیز ہے۔ جیل میں بھی بے شمار قیدیوں کی زندگیوں میں قابلِ رشک تبدیلیاں پیدا کرچکے ہیں۔ خود شاہ جی کی اپنی ذات کے لئے جیل زحمت کی بجائے رحمت بن گئی کیونکہ آپ نے وقت سے استفادہ کرکے جیل میں قرآن مجید حفظ کرنے کی سعادت حاصل کرلی۔ وگرنہ آج کل تو اکثر بڑے بڑے علماء، خطباء، مشائخ، پیرانِ عظام حق وصداقت کا نغمہ بلند کرنے کی بجائے مصلحت پسندی کی آڑ میں حکمرانوں کے خوشامد پسند اور گداگر نظر آتے ہیں۔ مختصر یہ کہ ان حالات میں اگر حق کے مدمقابل باطل قوتوں سے پنجہ آزمائی کی ریت سے نبرد آزما اور سرخرو ہوتے

دکھائی دیتے ہیں۔ تو وہ شاہ جی ہی نظر آتے ہیں بقول اقبال:

اگرچہ بت ہیں جماعت کی آستینوں میں
مجھے ہے حکمِ اذاں لا الہ الا اللہ

نمازِ جمعہ کے بعد درسِ حدیث شریف بھی عوام الناس کے دلوں کو قرآن وسنت کے سانچے میں ڈھالنے کا باعث بن رہا ہے۔ کیبل، ڈش، انٹرنیٹ کے دور میں حضرت شاہ جی کی آڈیو، ویڈیو کیسٹس بھی اندرون وبیرون ملک بے شمار انسانوں کو دنیا پرستی سے نجات دلا کر اللہ پرستی اور اسوہ حسنہ کے صراط مستقیم پر گامزن ہونے کا پیش خیمہ ثابت ہورہی ہیں۔ غیر ملکی دورہ جات میں بھی آپ نے ہزاروں بدعقیدہ لوگوں کو قرآن وحدیث کی روشنی میں دلائل اور اپنی قوت خضری سے مشرف بااسلام فرمایا اوران کی اخروی زندگی سنوارنے میں ممدومعاون ثابت ہوئے۔

شاہ جی کی زندگی کا لمحہ لمحہ، لحظہ لحظہ، ساعت ساعت، عبادت وریاضت سے مزین ومرصع ہے۔ آپ نے بہت مایہ ناز، عظیم المرتبت اساتذہ کرام، علماء، فضلاء اور مشائخ عظام سے علوم ومعارف کے تمام اسرار ورموز پر دسترس حاصل کی اوران پر راہ سلوک کی منزلوں کا رنگ آپ کے مرشد ومربی وسندی نابغۂ دنیائے علم وعرفان، محقق لاریب، شیخ المشائخ، خضر راہ طریقت حضرت قبلہ لالہ جی محمد جمشید قدس سرہ العزیز نے چڑھایا اور آپ ملتِ اسلامیہ کے لئے اخلاقی وروحانی زوال کی مہیب تاریکیوں میں روشنی کا مینار ثابت ہوئے۔ یہ تمام خوبیاں اور اوصاف شاہ جی کو اپنے جدامجد سے بھی وراثت میں ملے۔ آپ جماعت چہارم کے طالب علم تھے جب آپ کے استاد کو کبھی سر میں درد ہوتا تو وہ آپ سے فرماتے شاہ جی میرے سر میں درد ہورہا ہے۔ آپ مجھے دم کردیں۔ شاہ جی دم کرتے تو انہیں آرام آجاتا۔ القصہ مختصر یہ کہ سید ریاض حسین شاہ ایک شخصیت کا نام ہی نہیں بلکہ ایک ہمہ جہت اور ہمہ گیر انقلاب کا نام ہے جو محبت وعشق کی پرخار اور پرخطر وادیوں اور گھاٹیوں میں بھٹکے ہوئے آہو کو سوئے منزل تک پہنچادیتا ہے۔ ایسے ہی لوگوں کے بارے میں علامہ محمد اقبال علیہ الرحمۃ نے فرمایا تھا:

یہ راز کسی کو بھی معلوم نہیں کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

الغرض حضرت شاہ جی کے تمام معمولات، مخفی گوشوں اور پہلوؤں کو اوراق کی زینت اور احاطہ تحریر میں لانے کے لئے ایک ضخیم کتاب کی ضرورت ہے اوراس فریضے سے حافظ شیخ محمد قاسم اور محمد بہاؤالدین جیسے عظیم اور قابل رشک لوگ ہی سرخرو ہوسکتے ہیں، جن کے شب وروز شاہ جی کی خدمت اور قدم بوسی میں بسر ہوتے ہیں۔ میں تو جمعہ جمعہ آٹھ دن کی پیداوار ہوں اور ہر لحاظ سے بہت جونیئر ہوں۔ ان کے سامنے میری حیثیت اور اوقات ہی کیا ہے۔ مجھ پر تو یہ کہاوت یا محاورہ صادق آتا ہے:

کیا پدی اور کیا پدی کا شوربہ

میں حلفاً اقرار کرتا ہوں کہ یہ چند معروضات میرے علم ویقین کے مطابق لفظ بلفظ درست اور سچ پر مبنی ہیں اور ان میں کوئی ابہام نہ ہے لیکن مجھے اس بات کا بھی شدید احساس ہے کہ حضرت قبلہ شاہ جی میری اس بے ربط اور ٹوٹی پھوٹی تحریر اور سعی ناکام پر خوش نہیں ہوں گے بلکہ آپ کی شخصیت پر ناگواری کے اثرات مرتب ہوں گے کیونکہ شاہ جی اپنی تعریف پسند نہیں فرماتے لیکن بابا بلھے شاہ کے بقول

سچ سچ کے جیا کہندی اے
منہ آئی بات نہ رہندی اے

دل کے ہاتھوں مجبور اور بے بس ہو کر جرأت اور جسارت کا مرتکب ہوا ہوں۔ اس لئے کہ دنیا میں سلوک کا ہر طالب علم اپنے روحانی مربی کا ذکر اتنا ہی ضروری سمجھتا ہے جتنا کہ ذکرِ الٰہی اور ذکرِ رسول ﷺ اور ناچیز حقیر نے بے جا لفاظی نہیں بلکہ تحدیثِ نعمت کے طور پر حقیقت کا اظہار کیا ہے۔ یہ توقع رکھتے ہوئے:

شاہاں چہ عجب گر بنوازند گدارا

اللہ عزوجل حضرت شاہ جی کا سایہ عاطفت صحت وتندرستی کے ساتھ تادیر ہمارے اوپر سایہ فگن رکھے اور ہم آپ سے روحانی واخلاقی فیض یابیوں کے ثمر حاصل کرتے رہیں۔ آمین!

☆☆☆